ماہنامہ ماہِ نور دہلی

نوٹ: رسالے کے مستقل قارئین اس جانب ضرور توجہ دیں کہ اگر ان کی ممبری فیس ختم ہوگئی ہو تو ادارہ کو جلد از جلد بذریعہ منی آرڈر روانہ کردیں تاکہ ان کی ممبری بحال رہے۔

مراسلت و ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ ماہِ نور
419، اُردو بازار، جامع مسجد، دہلی-110006

MAAH-E-NOOR Monthly
419, Urdu Bazar, Matia Mahal,
Jama Masjid, Delhi - 110006

E-mail:mahenoormonthly@gmail.com, Website : www.abulghaus.com

قیمت فی شمارہ	:	15روپے
قیمت سالانہ	:	170روپے
بیرونِ ممالک	:	20ڈالر
لائف ٹائم ممبرشپ	:	5000روپے
// // بیرون ممالک	:	300ڈالر

Printer, Publisher & Owner
SYED ABUL HASAN

Published at:
2229, Star Offset Printing Press
Ahata Hajjan Bi, Rodgran, Delhi-6

Published from:
419, Urdu Bazar, Matia Mahal,
Jama Masjid, Delhi - 110006

فہرست مضامین

خصوصی موضوع:
رویتِ ہلال اور جدید ذرائع ابلاغ

محمد ارشاد عالم نعمانی

کب تک ہوتی رہے گی مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی؟

یو پی ایس سی کے نصاب سے عربی و فارسی کو خارج کیے جانے پر صدائے احتجاج

سول سروسز کے امتحانات ہمارے ملک ہندوستان کا نہایت باوقار، اعلیٰ اور اہم شمار کیے جاتے ہیں جن کی بنیاد پر ہندوستانی انتظامیہ میں باصلاحیت عہدیداران وافسران کا انتخاب ہوتا ہے۔ یہ امتحانات باضابطہ ایک بورڈ کے تحت انجام پذیر ہوتے ہیں۔ ان امتحانات کی انجام دہی کے لیے حکومت کی جانب سے جو بورڈ تشکیل دیا گیا ہے اسے یونین پبلک سروس کمیشن (U.P.S.C.) کہا جاتا ہے۔ ہر سال اسی آئینی ادارے کے ذریعے یہ امتحان کرایا جاتا ہے۔ اس امتحان کو دینے کی اہلیت گورنمنٹ آف انڈیا کے کسی بھی منظور شدہ ادارے سے بی اے ڈگری ہے۔ اس کے بعد اس امتحان میں طالب علم شریک ہوسکتا ہے۔ یہ ہندوستان کا سب سے اہم مسابقتی امتحان ہے جس کا باقاعدہ نصاب ہے۔ اس امتحان میں کامیابی کا خواب تقریباً ہندوستان کے ہر باشعور، ذہین، حساس اور عالی دماغ حضرات دیکھتے ہیں لیکن وہی لوگ اس امتحان میں کامیاب ہوتے ہیں جو مسلسل محنت، لگن اور کچھ کرگزرنے کی ٹھان لیتے ہیں۔

سول سروسز امتحانات کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بھی بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ اس امتحان میں کامیاب افراد حکومت کے انتظامی امور ومعاملات کے نگہبان ہوتے ہیں۔ ضلع کلکٹر اور ایس پی، یوں ہی کسٹم اور انکم ٹیکس کے عہدیداران اسی امتحان کے ذریعے منتخب ہوتے ہیں۔ اسی طرح وزیروں اور منسٹروں کے سکریٹری اور انتظامی امور سے متعلق اہم سرکاری مناصب پہ آسامی کا تقرر بھی ان ہی امتحان کے منتخب امیدوار کے ذریعے ہوتا ہے۔ ایمرجنسی کے وقت حکومت کے نظم ونسق کو چلانے کے لیے افراد کا تعین بھی اسی امتحان سے کامیاب شدہ اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد سے ہوتا ہے۔ یوں زیادہ تر غیر ملکی سفیر بھی سول سروسز کے منتخب افراد اور اعلیٰ تعلیمی ادارے کے وائس چانسلر بھی اسی امتحان میں کامیاب افراد ہوتے ہیں۔

یہاں اس امتحان کی تیاری اور طریقۂ کار پہ گفتگو مقصود نہیں بس اس کی اہمیت پہ مختصراً گفتگو کرتے ہوئے اس حقیقت کا اظہار کرنا ہے کہ تقریباً آٹھ ماہ قبل حکومت ہند کی سفارش سے اس کے نصاب سے عربی اور فارسی کو نکال دیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ یو پی ایس سی کے نصاب میں ہندوستانی آئین کے مطابق ۲۲ زبانوں کو شامل رکھا گیا ہے جس میں عربی اور فارسی زبانیں بھی شامل ہیں لیکن آٹھ ماہ قبل حکومت کی جانب سے جاری ایک حکم نامے کی بنیاد پر عربی وفارسی زبانوں کو یو پی ایس سی کے نصاب سے خارج کردیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب عربی اور فارسی میں وہ طلبہ بھی سول سروسز امتحان میں نہیں بیٹھ سکتے جو یونیورسٹی یا کالج میں عربی وفارسی شعبے میں تحصیل علم کررہے ہیں۔ یوں ہی مدارس کے طلبہ بھی اس امتحان سے محروم ہوجائیں گے۔

عربی وفارسی کے علاوہ جو زبانیں یو پی ایس سی کے نصاب میں شامل ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:

Assamese, Bodo, Bengali, Chinces, Dogri, English, French, Gernam, Gujrati, Hindi, Kanada, Kashmiri, Konkani, Maithili, Malayalam, Manipuri, Marathi, Nepali, Oriya, Pali, Punjabi, Russian, Sanskrit, Santhali, Sindhi, Tamil, Telugu, Urdu.

اربابِ علم ودانش حکومت کے اس فیصلے سے سخت اضطراب اور بےچینی میں مبتلا ہیں کہ آخر کیا وجوہات واسباب ہیں جن کی وجہ سے عربی اور فارسی کو یو پی ایس سی نصاب سے خارج کردیا گیا ہے، جبکہ دیگر جو زبانیں شامل نصاب ہیں ان میں بشمول اُردو کے عربی وفارسی زبان میں ہندوستان کی تہذیب وثقافت اور عرب وہند تعلقات کی قدیم وجدید تاریخ کا اہم حصہ محفوظ ہے۔ میڈیا کے ذریعہ ایک وجہ یہ سامنے آئی ہے کہ عربی اور فارسی دونوں زبانیں مقامی اور ہندوستانی نہیں ہیں، اس لیے ان کو نصاب سے خارج کیا ہے تو میرا سوال یہ ہے کہ انگریزی، جرمنی، فرنچ، رشین زبانیں کب سے ہندوستانی ہوگئیں کہ اُن کو شامل رکھا گیا ہے اور عربی وفارسی کو غیر ملکی زبان قرار دے کر خارج کردیا۔ اگر یہ بات سچ ہے تو ناطقہ سربہ گریبان ہے اسے کیا کہیے۔

حالاں کہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ یہ دونوں زبانیں ہندوستان کی تہذیبی وثقافتی زبان کی حیثیت رکھتی ہیں، اس کے ساتھ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ فارسی زبان ہندوستان میں صدیوں سرکاری زبان کے طور پر استعمال ہوتی رہی ہے اور سندھ کی ریاست میں کم ازکم ابتدائی مسلم حکومتوں کے دور میں نصف صدی تک سرکاری زبان عربی رہی ہے۔ عہدِ وسطیٰ کا سارا تہذیبی، علمی وتاریخی سرمایہ فارسی اور عربی زبان میں ہی محفوظ ہے۔ یہ بھی ایک روشن حقیقت ہے کہ پوری دنیا میں

ہندوازم کو تہذیبی شناخت دلانے میں فارسی وعربی نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ فارسی وعربی کے ہندوستان آنے سے قبل ہندوازم صرف سنسکرت زبان کا حصہ تھی جو ہندوستان تک ہی محدود تھی، لیکن عہد وسطیٰ میں یہ عربی و فارسی میں منتقل ہوئی اور ہندوستان کے علاوہ دنیا کے دیگر خطوں میں پہنچی۔ ہندوستان کی گنگا جمنی مشترکہ تہذیب کی تشکیل میں بھی فارسی وعربی کے نمایاں رول سے انکار ممکن نہیں۔ عہد وسطیٰ میں اہلِ ہند کی تہذیب وثقافت پر جو بےنظیر تحقیقی وعلمی کام ہوئے وہ سارا سرمایہ آج بھی ہندوستان میں عربی وفارسی میں محفوظ ہے۔

ہندشناسی کا نقطۂ آغاز البیرونی کی 'کتاب الہند' سے ہوتا ہے جو خود دیگر زبانوں کے ساتھ سنسکرت زبان کا زبردست عالم وفاضل تھا جس نے براہِ راست سنسکرت زبان کی مدد سے ہندوفلسفہ، ہندو مذہبی روایات اور رسوم ورواج کا مطالعہ کیا اور اپنے مطالعے کا نچوڑ عربی زبان میں 'کتاب الہند' کے نام سے تحریر کی جو آج بھی اہلِ ہند کی تہذیب وثقافت پہ عربی زبان میں ایک اہم تصنیف شمار کی جاتی ہے۔ یوں ہی عہد شاہ جہاں کی 'دبستانِ مذاہب' فارسی زبان میں بشمول ہندوازم کے دیگر مذاہب کے مطالعہ کے لیے اہمیت کی حامل ہے۔ اسی طرح خصوصاً مغلیہ عہد میں جب کہ یہاں کی سرکاری زبان فارسی تھی اُس وقت اہلِ ہند کی بہت سی ادبی، مذہبی اور سائنسی کتابوں کے عربی و فارسی میں تراجم ہوئے۔ صرف عہدِ اکبری میں سنسکرت سے فارسی میں جن ہندوستانی کتابوں کے تراجم ہوئے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) رامائن: رامائن کا فارسی ترجمہ ۹۹۲ھ-۱۵۸۴ء میں ملا عبدالقادر بدایونی نے شروع کیا اور ۹۹۶ھ-۱۵۸۸ء میں مکمل کیا۔

(۲) وید: حاجی ابراہیم سرہندی نے ہندوؤں کی مذہبی کتاب وید کا فارسی ترجمہ 'اتھر دین' کے نام سے ۹۸۳ھ-۱۵۷۵ء میں کیا۔

(۳) مہابھارت: مترجمین کی ایک جماعت جن میں نقیب خاں، ملا عبدالقادر بدایونی، ملا شیری اور حاجی تھانیسری شامل ہیں، نے ۹۹۰ھ میں فارسی زبان میں کیا اور ابوالفضل نے اس پر ایک مقدمہ تحریر کیا۔

(۴) سنگھاسن: سنسکرت کی مشہور کتاب سنہاسندھوترنیسی کا فارسی ترجمہ ملا عبدالقادر بدایونی نے ۹۸۲ھ-۱۵۷۴ء میں کیا۔

(۵) اتھروید: ہندوؤں کی مذہبی کتاب چار ویدوں میں سے ایک ہے۔ اس کا فارسی ترجمہ نومسلم برہمن شیخ لہاون نے ابراہیم سرہندی بدایونی اور فیضی وغیرہ کی مدد سے کیا۔

(۶) ہربنس: کرشن جی کے حالات پر مشتمل اس سوانحی کتاب کا فارسی ترجمہ بھی اکبر کے دارالترجمہ کے زیراہتمام ہوا۔

(۷) تاجک: ہندوستانی علم نجوم کی مشہور کتاب 'تاجک' کا فارسی ترجمہ مکمل خاں گجراتی نے کیا۔

(۸) بحرالاسمار: ادبِ ہندی کی مشہور کتاب 'بحرالاسمار' کا فارسی ترجمہ ۱۰۰۳ھ-۱۵۹۴ء میں ملا عبدالقادر بدایونی نے مکمل کی۔

(۹) لیلاوتی: ہندوستانی علم الحساب کی سنسکرت زبان میں مشہور کتاب 'لیلاوتی' مصنف پنڈت بھاسکر آچاریہ کا فارسی ترجمہ ۹۹۵ھ-۱۵۸۶ء میں ابوالفیض فیضی نے کیا۔

(۱۰) کلیلہ دمنہ: حکمت عملی کی سنسکرت زبان میں معروف ادبی کتاب کا فارسی ترجمہ پہلے پہل ملا حسین واعظ نے کیا پھر دوبارہ ۹۹۶ھ-۱۵۸۷ء میں 'عیارِ دانش' کے نام سے فیضی نے کیا۔

اس کے علاوہ اکبر کے دارالترجمہ سے اور بھی بہت سی کتابیں عربی سے سنسکرت زبان میں بھی منتقل کی گئیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عربی وفارسی زبان میں کس قدر ہندوستان کی تہذیب وثقافت محفوظ ہے۔ ان تاریخی حقائق کے باوجود ان زبانوں کو سول سروسز جیسے سب سے اعلیٰ مسابقتی امتحانات سے نکالنا کس قدر تہذیب وثقافت اور تاریخی حقائق سے بےخبری ہے یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ بعض دانشوروں کا کہنا ہے کہ یہ اقدام لاعلمی کی بنیاد پر ہوا ہے، مذکورہ تاریخی حقائق کے باوجود کیا اسے تسلیم کیا جاسکتا ہے؟

حکومت کا یہ فیصلہ اس لیے بھی باعث حیرت اور تشویشناک معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی بیس سے زائد یونیورسٹیوں میں باضابطہ عربی وفارسی کے مستقل شعبے (ڈپارٹمنٹ) قائم ہیں جن میں عربی وفارسی میں اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے اور بشمول بی اے، ایم اے عربی فارسی کے ساتھ ایم فل، پی ایچ ڈی اور دیگر تحقیقی وعلمی کام ہو رہے ہیں۔ اس کے باوجود ان زبانوں کو سول سروسز سے نکالا جانا مضحکہ خیز نہیں بلکہ مکمل ایک سوچی سمجھی سازش ہے۔ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ ان شعبوں میں اعلیٰ تحقیقی کام کرنے والوں کو باضابطہ صدر جمہوریۂ ہند کی جانب سے سالانہ اعزازات وایوارڈ بھی دیے جاتے ہیں۔ آج بھی ہر سال صدر جمہوریۂ ہند کی جانب سے عربی کو ۳، فارسی کو ۶، اور سنسکرت کو ۱۵ ایوارڈ دیے جاتے ہیں۔ اس کے باوجود حکومت کی عربی وفارسی کے ساتھ یہ بےانصافی ناقابل فہم نظر آتی ہے۔

ان زبانوں کے نکالے جانے کے تعلق سے یہ عذر لنگ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ ان زبانوں میں پرچہ بنانے والے اور کاپی چیک کرنے والے افراد کی کمی ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو یہ ناقابل فہم منطق تو اور دیگر زبانوں پر بھی فٹ کی جاسکتی ہے۔ خود اس کی لپیٹ میں سنسکرت زبان بھی آ جائے گی حالاں کہ نصاب میں شامل دیگر زبانوں کے مقابلے میں عربی و فارسی آج بھی ہمارے ملک کی زندہ زبانیں ہیں اور ۵۰ سے زائد ملکوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہیں۔ دراصل بات وہ نہیں جو پیش کی جارہی ہے بلکہ اس کے پس پردہ مسلمانوں کے تعلق سے حکومت کی گہری سازش معلوم ہوتی ہے۔ ایسا تو نہیں کہ اس کے پس پردہ مسلمانوں کے ساتھ حکومت کا سوتیلا رویہ کارفرما ہو یا کسی سازش کے تحت مسلم طلبہ کو مین اسٹریم میں نہ آنے دینے کی کوئی سوچی سمجھی اسکیم ہو۔

حکومت کا اس سلسلے میں دوہرا رویہ یوں بھی اُبھر کر سامنے آتا ہے کہ ایک جانب حکومت مسلم طلبہ اور مدارس کے طلبہ کو مین اسٹریم میں لانے کی بات بھی کرتی ہے اور دوسری جانب ان مسابقتی امتحانات سے ان زبانوں کو خارج بھی کررہی ہے جن زبانوں سے مدارس کے طلبہ براہِ راست مستفید ہو رہے ہیں اور جس کے ذریعہ وہ آگے چل کر مسابقتی امتحان میں کامیابی کے بعد اپنے آپ کو مین اسٹریم میں لاسکتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ گزشتہ تین برسوں میں عربی و فارسی سے سات بچے سول سروسز میں کامیاب ہوکر آئے ہیں جن میں مدارس کے طلبہ بھی شامل ہیں، اب جب کہ مدارس کے طلبہ اپنی اعلیٰ کارکردگی کا بھرپور مظاہرہ کررہے ہیں حکومت کو ان کی یہ کامیابی ایک آنکھ نہیں بھارہی ہے لہٰذا اس نے اپنی سازشی ومتعصّبانہ ذہنیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان زبانوں ہی کو نصاب سے نکال دیا جن کے ذریعہ مدارس کے طلبہ اچھے اور باوقار عہدے تک اپنی محنت ولگن سے پہنچ سکتے تھے اور ملک کے مفاد میں گرانقدر خدمات انجام دے سکتے تھے۔

خوش آئند بات یہ ہے کہ حکومت کے اس فیصلے کے خلاف سنجیدہ احتجاج اور اپنے جائز کرب واضطراب کے اظہار کے لیے بڑی مؤثر آواز مختلف تنظیموں اور ارباب حل وعقد کی جانب سے بلند کی جارہی ہے۔ اس سلسلے میں عربی و فارسی کے اساتذہ وطلبہ سے لے کر حساس دل سیاسی رہنما بھی سامنے آرہے ہیں اور اپنی آواز کو مؤثر طریقے سے حکومت تک پہنچانے کی منصوبہ بندی کررہے ہیں اور یہ ہونا بھی چاہیے کیونکہ یہ ایک جمہوری ملک ہے لہٰذا جب تک اپنے حقوق کی بازیافت کے لیے ہم اپنی آواز کو بااثر انداز میں نہیں پہنچائیں گے ہمیں اپنے مقاصد میں کامیابی نہیں مل سکتی۔ اس سلسلے میں یہ قدم بھی اُٹھائے جانے کی بات کی جارہی ہے کہ جب تک حکومت اپنے اس فیصلے کو واپس نہیں لیتی اُس وقت تک مؤثر طریقہ سے ہمارے ارباب حل وعقد اپنی بات حکومت تک پہنچاتے رہیں گے اور ضرورت پڑی تو اس سلسلے میں مؤثر تحریک بھی چلائی جاسکتی ہے۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ دیگر حضرات بھی ان حضرات کے ساتھ آگے آئیں اور اپنے اس حق کی بازیافت کی مؤثر تدبیر کریں ورنہ اگر ہم اس سلسلے میں آج کسی طرح کی غفلت کے شکار ہوگئے تو آگے چل کر ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اعلیٰ تعلیمی اداروں سے ان زبانوں کی تعلیم ہی منسوخ کردی جائے جیسا کہ اب بعض ریاستوں جیسے بہار میں جہاں ثانوی تعلیم میں فارسی کا ایک پرچہ نصاب میں شامل تھا وہ بھی اب ہٹایا جارہا ہے۔ یہ تعلیمی گھوٹالہ خواہ نچلی سطح پر ہو یا اوپری سطح پر کسی قیمت پر برداشت نہیں کیا جانا چاہیے۔ اس سلسلے میں لائق مبارکباد ہیں راجیہ سبھا کے آزاد ممبر پارلیمنٹ جناب محمد ادیب صاحب جنھوں نے اس مسئلے پر پرزور آواز راجیہ سبھا میں بلند کی اور اس مسئلے کی حساسیت پر وزیر اعظم منموہن سنگھ کی توجہ مبذول کرائی اور انھیں دوبارہ سول سروسز میں شامل نصاب کرنے کی پرزور وکالت کی۔ ساتھ ہی اس مسئلے پر آپ کی صدارت میں غالب اکیڈمی میں ۳۰/ اگست ۲۰۱۳ء کو ایک اہم قومی سیمینار کا انعقاد بھی ہوا جس میں شعبۂ تعلیم وسیاست بطورِ خاص عربی و فارسی واسلامی اسٹڈیز ڈپارٹمنٹ جامعہ ملیہ اسلامیہ، جامعہ ہمدرد، دہلی یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلبہ کے علاوہ سرکردہ افراد شریک ہوئے اور اس اہم مسئلہ پر کھل کر گفتگو کی اور اپنا مؤثر احتجاج درج کرایا جس کی نمایاں رپورٹ مختلف اخبارات میں شائع ہوئی۔ اس قومی سیمینار کا ایک نقد فائدہ یہ بھی سامنے آیا کہ اب میڈیا بھی اس مسئلے کو کھل کر پیش کررہا ہے اور ارباب حل وعقد اس مسئلے کی جانب بیداری سے اپنی توجہ مبذول کررہے ہیں۔ اس سیمینار کے دوسرے دن قومی اُردو کونسل برائے فروغ اُردو زبان کے سہ روزہ عالمی اُردو (۴/ تا ۶/ ستمبر ۲۱۳ء) سیمینار کے پہلے سیشن میں اس مسئلے پر اُردو سے وابستہ سرکردہ افراد نے اپنے احتجاج سنجیدہ طریقے سے کرائے ہیں۔ اور اس میں سیمینار میں شریک مرکزی وزیروں سے دخل اندازی کی گزارش بھی کی ہے۔ اس کے آخری اجلاس میں اُردو کے فروغ کی دس اہم تجاویز جو گورنمنٹ کو منظوری کے لیے پیش کیا جانا ہے اس میں عربی و فارسی کی سول سروسز میں دوبارہ شمولیت کے مسئلے کو بھی بطورِ خاص شامل رکھا گیا ہے۔ یوں ہی دیگر یونیورسٹیوں کے عربی و فارسی شعبے سے منسلک افراد بھی حکومت کے اس رویہ کے خلاف اپنی مؤثر آواز بلند کررہے ہیں، جس میں آل انڈیا ایسوسی ایشن آف عربک اینڈ اسکالر اور آل انڈیا پرشین اسکالر ایسوسی ایشن کے اراکین پیش پیش ہیں۔

ای میل: irshadnomani92@gmail.com، موبائل: 09555584637

منظومات

نوجواں تو بختِ ملت ہے ذرا بیدار ہو

نوجواں تو بختِ ملت ہے ذرا بیدار ہو
دین و دانش کی تو قسمت ہے ذرا بیدار ہو
تیرے کاندھوں پر ٹکا ہے عصرِ آئندہ کا بوجھ
تیرے ہی ذمے ہے آگے دینِ پائندہ کا بوجھ
قومِ مسلم کی تو عزت ہے ذرا بیدار ہو
نوجواں تو بختِ ملت ہے ذرا بیدار ہو
اشرفِ خلقِ خدا، اے نائبِ پروردِگار
بطلِ کونِ ممکناں ، طاقت کے بحرِ بے کنار
بعدِ رب تیری بسالت ہے ذرا بیدار ہو
نوجواں تو بختِ ملت ہے ذرا بیدار ہو
عزم کا کوہِ گراں بن، دامنِ ایقاں پکڑ
ناخنِ فکر و عمل لے، کارگہہ میں کود پڑ
باعمل ہونا ہی حکمت ہے، ذرا بیدار ہو
نوجواں تو بختِ ملت ہے ذرا بیدار ہو
ہوش لازم کر، سمندِ فکر کو اب ایڑ دے
انقلابی بن کے تحریکِ بغاوت چھیڑ دے
عہدسازی تیری قسمت ہے، ذرا بیدار ہو
نوجواں تو بختِ ملت ہے ذرا بیدار ہو
صبحِ نو کا رمز بن، مایوسیوں کو چھانٹ دے
دہر کے ڈھروں سے ہٹ، رسمِ زمن کو ڈانٹ دے
اُٹھ کہ تو شورِ قیامت ہے ذرا بیدار ہو
نوجواں تو بختِ ملت ہے ذرا بیدار ہو
چھوڑ ذوقِ دیگراں، تو خود ہی بن ذوقِ زمن
ذکرِ دیگر کی جگہ تو بن حدیثِ انجمن
اب ترا عہدِ حکومت ہے ذرا بیدار ہو
نوجواں تو بختِ ملت ہے ذرا بیدار ہو
ناامیدی کفر ہے یوں حاملِ عہدِ الست!
قادرِ مطلق کا نائب جلد نہ کھائے شکست
پس تو ظلِ ربِّ عزت ہے، ذرا بیدار ہو
نوجواں تو بختِ ملت ہے ذرا بیدار ہو
کچھ تو اچھا کر گزر، یہ طورِ بیزاری ہے موت
کام ہی ہے زندگانی اور بیکاری ہے موت
زیست پل پل رب کی نعمت ہے، ذرا بیدار ہو
نوجواں تو بختِ ملت ہے ذرا بیدار ہو
نارِ عدوان و حسد سے اپنے دامن کو بچا
شکوۂ اہلِ جفا، زیرِ زباں ہرگز نہ لا
تو عزائم کی صلابت ہے ذرا بیدار ہو
نوجواں تو بختِ ملت ہے ذرا بیدار ہو
تو خدارا اِس طرح حالات کی رَو میں نہ بہہ
عام عاداتِ مسلماں کی طرح ذلت نہ سہہ
تجھ میں جذبوں کی حرارت ہے ذرا بیدار ہو
نوجواں تو بختِ ملت ہے ذرا بیدار ہو
تیری غفلت خود تجھے کردے گی بے نام ونشاں
بلکہ مٹ جائے گی ساری قوم کی وہ داستاں
کسل میں ہر رُخ سے شامت ہے ذرا بیدار ہو
نوجواں تو بختِ ملت ہے ذرا بیدار ہو
بن فقط اللہ کا، یہ جارحیت نہ جتا
تو رہِ اسلاف چل، دیں کو تکلف نہ بنا
دینِ احمد، دینِ فطرت ہے، ذرا بیدار ہو
نوجواں تو بختِ ملت ہے ذرا بیدار ہو
بند کر یہ وعظ ناصرؔ تو ہی میداں میں نکل
جہدِ پیہم سے تو ہی حالات کا دھارا بدل
رب کی وا آغوشِ نصرت ہے ذرا بیدار ہو
نوجواں تو بختِ ملت ہے ذرا بیدار ہو

محمد ناصر مصباحی

مفتی احمد یار خاں نعیمی اشرفی☆

مسائلِ قرآنیہ

آخری قسط

ان ضروری مسائل کا ذکر جن کا بعض لوگ انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ قرآن شریف سے صراحتاً ثابت ہیں۔

عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ پیدا ہوئے

سارے مسلمانوں کا عقیدہ تھا اور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے بغیر باپ کے پیدا فرمایا اور اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا۔مگر اب موجودہ زمانے میں قادیانیوں نے اس کا انکار کیا۔ان کی دیکھا دیکھی بعض بھولے بھالے جاہل مسلمان بھی اس ظاہری مسئلہ کے منکر ہوگئے اور کہنے لگے کہ قرآن سے یہ ثابت نہیں۔حالاں کہ قرآن شریف اس کا بہت زوروشور سے اعلان فرمارہا ہے۔رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ. اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَاتَکُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ۔
(آل عمران:۵۹-۶۰)

ترجمہ: بے شک عیسیٰ کی کہاوت اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے کہ اسے مٹّی سے بنایا۔پھر اس سے فرمایا کہ ہوجا وہ فوراً ہوجاتا ہے۔یہ حق ہے تمھارے رب کی طرف سے،تو تم شک والوں میں سے نہ ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو آدم علیہ السلام کی پیدائش سے تشبیہ دی کہ جیسے آدم علیہ السلام بغیر نطفے کے پیدا ہوئے ایسے ہی آپ بھی۔جب آدم علیہ السلام خدا کے بیٹے نہ ہوئے تو اے عیسائیو!عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے کب ہوسکتے ہیں؟اگر عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش عام انسانوں کی طرح ہوتی تو انھیں آدم علیہ السلام سے تشبیہ نہ دی جاتی۔

قَالَتْ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّ لَمْ اَکُ بَغِیًّا ○ قَالَ کَذٰلِکِ قَالَ رَبُّکِ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ وَّلِنَجْعَلَہٗ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَۃً مِّنَّا۔(سورۂ مریم آیت:۲۰-۲۱)

ترجمہ: مریم نے جبریل سے کہا کہ: میرا بیٹا کیسے ہوسکتا ہے۔مجھے تو کسی مرد نے چھوا بھی نہیں،نہ ہی میں بدکار ہوں۔فرمایا: ایسے ہی ہوگا۔تمھارے رب نے فرمایا کہ: یہ کام مجھ پر آسان ہے اور تا کہ بنائیں ہم اس بچہ کو لوگوں کے لیے نشانی اور اپنی طرف سے رحمت۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا نے بیٹے ملنے کی خبر پر حیرت کی کہ بغیر مرد کے بیٹا کیسے پیدا ہوگا اور انھیں رب کی طرف سے جواب ملا کہ اس بچے سے رب تعالیٰ کی قدرت کا اظہار مقصود ہے لہٰذا ایسے ہی بغیر باپ کے ہوگا۔اگر آپ کی پیدائش معمول کے مطابق تھی تو تعجب کے کیا معنی اور رب تعالیٰ کی نشانی کیسی؟

فَاَتَتْ بِہٖ قَوْمَھَا تَحْمِلُہٗ قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْئًا فَرِیًّا۔
(سورۂ مریم آیت:۲۷)

ترجمہ: تو انھیں گود میں اپنی قوم کے پاس لائیں۔بولے اے مریم تو نے بہت بری بات کی۔

معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش پر لوگوں نے حضرت مریم کو بہتان لگایا۔اگر آپ خاوندوالی ہوتیں تو اس بہتان کی کیا وجہ ہوتی۔

فَاَشَارَتْ اِلَیْہِ قَالُوْا کَیْفَ نُکَلِّمُ مَنْ کَانَ فِی الْمَھْدِ صَبِیًّا. قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا۔(سورۂ مریم آیت:۲۹-۳۰)

ترجمہ: پھر مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کردیا،وہ بولے: ہم کیسے بات کریں اس سے جو پالنے میں بچہ ہے۔بچہ نے فرمایا: میں اللہ کا بندہ ہوں اور مجھے غیب کی خبر دینے والا بنایا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں گویائی دی اور آپ نے خود اپنی ماں کی پاک دامنی اور رب تعالیٰ کی قدرت بیان فرمائی۔اگر آپ کی پیدائش باپ سے ہے تو اس معجزے اور گواہی کی ضرورت نہ تھی۔

اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَکَلِمَتُہٗ اَلْقٰھَا اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْہُ۔(سورۂ نساء:۱۷۱)

ترجمہ: عیسیٰ مریم کا بیٹا اللہ کا رسول ہی ہے اور اس کا ایک کلمہ کہ مریم کی طرف بھیجا اور رب کی طرف سے ایک روح۔

اس آیت میں عیسیٰ علیہ السلام کو مریم کا بیٹا فرمایا۔حالانکہ اولاد کی نسبت باپ کی طرف ہوتی ہے نہ کہ ماں کی طرف۔آپ کا والد ہوتا تو آپ کی نسبت اسی کی طرف ہونی چاہیے تھی۔نیز قرآن کریم نے کسی عورت کا

نام نہ لیا اور نہ کسی کی پیدائش کا واقعہ اس قدر تفصیل سے بیان فرمایا۔ چونکہ آپ کی پیدائش عجیب طرح صرف ماں سے ہے۔ لہٰذا ان بی بی کا نام بھی لیا اور واقعہ پیدائش پورے ایک رکوع میں بیان فرمایا۔ نیز انھیں کلمۃ اللہ اور اللہ کی روح فرمایا۔ معلوم ہوا کہ آپ کی پیدائش ایک کلمہ سے ہے اور آپ کی روح مافوق الاسباب آئی ہے۔

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَ كَهْلاً وَّ مِنَ الصَّالِحِيْنَ۔

(آل عمران، آیت:۴۶)

ترجمہ: عیسیٰ کلام کریں گے لوگوں سے پالنے اور پکی عمر میں اور خاص نیکوں میں ہوں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت بچپن اور بڑھاپے میں کلام کرنا ہے۔ بچپن میں کلام کرنا تو اس لیے معجزہ ہے کہ بچے اتنی عمر میں بولا نہیں کرتے اور بڑھاپے میں کلام کرنا اس لیے معجزہ ہے کہ آپ بڑھاپے سے پہلے آسمان پر گئے اور وہاں سے آ کر بوڑھے ہو کر کلام کریں گے۔

ان آیات مذکورہ بالا سے روز روشن کی طرح آپ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا ظاہر ہوا۔

اعتراض:

اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ انسان بلکہ سارے حیوانات کو نطفے سے پیدا فرمائے اور قانون کی مخالفت ناممکن ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کا خلافِ قانون پیدا ہونا غیر ممکن ہے۔ رب تعالیٰ فرما رہا ہے۔

اِنَّا خَلَقْنَاالْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا۔ (الدہر، آیت:۲)

ترجمہ: بے شک ہم نے پیدا کیا انسان کو ماں باپ کے مخلوط نطفے سے کہ ہم اسے آزمائیں، پس ہم نے اسے سننے دیکھنے والا بنا دیا۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَه نَسَبًا وَّ صِهْرًا۔

(سورہ فرقان، آیت:۵۴)

ترجمہ: اور وہی ہے جس نے پانی سے بنایا آدمی پھر اس کے رشتے اور سسرال مقرر کر دی۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ۔

(سورہ انبیاء آیت:۳۰)

ترجمہ: اور ہم نے ہر جاندار چیز پانی سے بنائی تو کیا وہ ایمان نہ لائیں گے۔

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلاً۔ (سورۂ فاطر، آیت:۴۳)

ترجمہ: اور تم ہرگز اللہ کے قانون کو بدلتا ہوا نہ پاؤ گے۔

وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلاً۔ (سورۂ اسراء آیت:۷۷)

ترجمہ: اور تم ہمارا قانون بدلتا ہوا نہ پاؤ گے۔

ان آیتوں سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ تمام انسان اور حیوانات کی پیدائش کا قانون یہ ہے کہ اس کی پیدائش نطفے سے ہو۔ دوسرے یہ کہ خدا کے قانون میں تبدیلی ناممکن ہے۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ مانی جائے تو ان آیات کے خلاف ہوگا۔

جـــواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی، دوسرا تحقیقی۔ الزامی جواب تو یہ ہے کہ آدم علیہ السلام بغیر نطفے کے پیدا ہوئے۔ ہمارے سروں میں جوئیں، چارپائی میں کھٹمل، پیٹ اور زخم میں کیڑے بغیر نطفے کے دن رات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ برسات میں کیڑے پھل میں جانور بغیر نطفے کے پیدا ہوتے ہیں۔ بتاؤ یہ قانون کے خلاف کیوں ہوا؟

تحقیقی جواب یہ ہے کہ معجزاتِ انبیا اور کراماتِ اولیا خود قانونِ الٰہی ہیں۔ یعنی رب تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ نبی اور ولی پر حیرت انگیز باتیں ظاہر ہوں، تو آپ کا بغیر باپ پیدا ہونا اس معجزے کے قانون کے ماتحت ہے۔ تمھاری پیش کردہ آیات کا مطلب یہ ہے کہ مخلوقِ خدا کے قانون میں تبدیلی نہیں کر سکتی۔ اگر خالق خود کرے تو وہ قادر ہے۔ انسان کی پیدائش نطفے سے ہونا قانون ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر نطفے کے پیدا ہونا قدرت ہے۔ ہم قانون کو بھی مانتے ہیں اور قدرت کو بھی۔ رب تعالیٰ قانون کا پابند نہیں۔ ہم پابند ہیں۔

دیکھو قانون یہ ہے کہ آگ جلا دے مگر ابراہیم علیہ السلام کو نہ جلایا۔ یہ قدرت ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْنَا يَا نَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلَامًا عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ۔ (الانبیا:۶۹)

ترجمہ: ہم نے کہا کہ اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔

اسی طرح اور بہت سارے معجزات کا حال ہے۔ اللہ تعالیٰ قادر و قیوم ہے جو چاہے کرے۔ اس کی قدرتوں کا انکار کرنا اپنے ایمان سے ہاتھ دھونا ہے۔ رب تعالیٰ ہم سب کو اس راستہ پر چلائے جو اس کے نیک بندوں کا ہے۔ اور اس زمانہ کی ہواؤں سے ہمارا ایمان محفوظ رکھے۔ آمین! آمین یارب العالمین۔□□

(ماخوذ از علم القرآن، ناشر ماہِ نور پبلی کیشنز، ۴۱۹، اُردو بازار، مٹیا محل، دہلی-۶)

مفتی محمد علاؤ الدین قادری رضوی☆

توبہ واستغفار: قرآن وسنت کی روشنی میں

قرآن مجید میں اہل ایمان سے توبہ کا مطالبہ ہے۔ارشاد باری ہے: اوراللہ کی طرف توبہ کرو، اے مسلمانو۔سب کے سب اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔(سورۃ نور آیت ۳۱)

حضرت پیرکرم شاہ ازہری زیرآیت لکھتے ہیں: کہ بلا چون وچرا احکام الٰہی اورارشادات نبوی کی تعمیل کے لیے جھک جاؤ۔اسی میں تمہارے دونوں جہانوں کی کامیابی ہے۔آفتاب اسلام کے طلوع ہونے کے بعد اب اہل جاہلیت کے رسم ورواج کو اور اخلاق وعادات کو نہ چھوڑ نا بڑی بے انصافی ہے۔(تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۳۲۰)

کامیابی یقیناً اللہ عزوجل اور اس کے حبیب صاحب لولاک علیہ الصلوۃ والسلام کے حکم کی بجا آوری میں ہے اور اس کے نواہی کو ترک کر دینے میں ہیں۔(یعنی جن باتوں سے اللہ عزوجل اور اس کے برگزیدہ رسول روک دیں رک جانے میں ہے)اور اللہ عزوجل ہی معین ومددگار ہے۔

سورۃ تحریم کی آیت کریمہ ہے: اے ایمان والو! اللہ کی طرف ایسی توبہ کروجوآگے کونصیحت ہوجائے۔(سورۃ تحریم آیت ۸)

اللہ عزوجل کی طرف سے اس آیت کریمہ میں بھی اہل ایمان سے توبہ کا مطالبہ کیا جارہا ہے کہ اے ایمان والو! تم اللہ عزوجل کے حضور صدق دل سے توبہ کرو اس امید پر کہ تمہارا رب تمہارے اندر سے ان آلودگیوں اور برائیوں کو دور کردے گا، جس میں تم مبتلا ہو اور تمہیں جنت کی صورت میں اس کا اجر ملے گا جہاں نہریں جاری ہیں یعنی جب بندہ برائی، ظلم وجبر، حسد وکینہ، جھوٹ، غیبت، چغل خوری۔زنا اور دوسری تمام برائیوں سے اللہ کے حضور سچے دل سے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ عزوجل اس کا مقام جنت میں فرماتا ہے۔یہاں توبہ نصوح کا ذکر آیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ توبہ کی اور بھی قسمیں ہیں۔ان شاء اللہ آگے توبہ کا لغوی واصطلاحی معنی ومراد اور اس کی قسموں کی تفصیل آئے گی۔

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں حضرت پیرکرم شاہ ازہری لکھتے ہیں: آیت میں اہل ایمان کو ہدایت کی جارہی ہے کہ اگراس سے پہلے جہالت، کم فہمی یا بشری کمزوری کی وجہ سے تم سے غلطیاں سرزد ہوتی رہی ہیں تو وقت ضائع نہ کرو۔فورا اللہ تعالی کے حضور میں صدق دل سے توبہ کرو تا کہ تمہارا رحیم وکریم خدا تمہارے گناہوں کے بدنما داغوں کو اپنے دامن کرم میں یوں چھپالے کہ کسی کو ان کا اتہ پتہ بھی معلوم نہ ہوسکے۔روز محشر فرشتے بھی تمہارے نامۂ اعمال سے کوئی ایسی چیز پیش نہ کرسکیں جو تمہاری رسوائی کا باعث ہو۔توبہ کرنے کے ساتھ توبہ کی قسم بھی بتادی۔فرمایا توبہ کرو تو تَوْبَةً نَّصُوْحًا کرو۔(تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۳۰۲)

توبہ تو انہی لوگوں کو زیب دیتا ہے جو توبہ نصوح کر کے خالص اللہ عزوجل کے احکامات کی تکمیل اور رسول علیہ السلام کی اتباع میں اپنے شب وروز گزار رہے ہیں ایسے لوگوں کے متعلق قرآن مجید میں اللہ تعالی نے محبت کا اعلان فرمادیا ہے۔

ارشاد باری ہے: اِنَ اللّٰهَ يُحِبُّ التَوَّابِيْنَ (بقرۃ ۲۲۲) یقیناً اللہ توبہ کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔

اور سورۃ انعام میں ارشاد ہے: تم میں سے کوئی نادانی سے کچھ کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کرے اور سنور جائے تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔(انعام ۵۴)

اب ان لوگوں کا ذکر آرہا ہے جو لوگ پوری زندگی گناہ پر گناہ کرتے جارہے ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اپنے گناہوں سے توبہ کرلو، تو وہ کہتے ہیں کہ ہم مرنے سے پہلے ضرور توبہ کرلیں گے۔گویا ایسے لوگ اپنے گناہ پر ڈھیٹ اور نڈر ہوتے ہیں انہیں نہیں معلوم کہ وقت نزع توبہ کی توفیق ہوگی بھی تو وہ کسی کام کے نہیں عقل مند وہی لوگ ہیں جو وقت سے پہلے بیدار ہوجاتے ہیں۔ارشاد باری سنو۔اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے کہ:

وہ توبہ جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے فضل سے لازم کرلیا ہے وہ انھیں کی ہے جو نادانی سے برائی کر بیٹھیں پھر تھوڑی دیر میں توبہ کرلیں، ایسوں پر اللہ اپنی رحمت سے رجوع کرتا ہے اور اللہ علم وحکمت والا ہے۔اور وہ توبہ ان کی نہیں جو گناہوں میں لگے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں کسی کی موت آئے تو کہے اب میں نے توبہ کی۔اور نہ ان کی جو کافر مریں ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔(نساء: ۱۸-۱۷)

توبہ سے اعراض کرنے والے کو قرآن مجید نے ظالم قرار دیا ہے۔

ارشاد باری ہے: اور جو توبہ نہ کریں تو وہی ظالم ہیں۔(حجرات: ۱۱)

توبہ کا لغوی و اصطلاحی معنی:

رجوع کرنا، لوٹنا یعنی تصور ہی تصور میں گناہوں سے نادم ہوکر سچے

☆ بانی وصدر: محکمۂ شرعیہ سنی دارالافتاء والقضاء، میرا روڈ، ممبئی

دل سے اللہ کے حضور مائل ہونے کا نام توبہ ہے۔علامہ زبیدی لکھتے ہیں: بندہ نے معصیت سے اللہ عزوجل کی طرف اطاعت کی طرف رجوع کیا یہاں توبہ کا فاعل بندہ ہے۔اور جب توبہ کا فاعل اللہ عزوجل ہو تو معنی ہوگا اللہ عزوجل نے مغفرت کی طرف رجوع کیا۔(علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی متوفی ۲۱۵ھ تاج العروس ج ا ص ۱۶۱ بحوالہ شرح صحیح مسلم)

علمائے کرام وصوفیائے عظام نے آیات ربانی واحادیث کریمہ کی روشنی میں توبہ کی مختلف قسمیں بیان کی ہیں۔ملاحظہ ہو:

(۱) توبة النصوح:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: دل سے نادم ہونے، زبان سے استغفار کرنے، اور جسم کو ہر گناہ کی آلودگی سے قطعی طور پر روکنے ، اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کرنے کو توبۃ النصوح کہتے ہیں۔یعنی خالص توبۃ۔ قرآن مجید میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ تُوْبُوْاِلَیٰ اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا۔یعنی تم اللہ عزوجل کی بارگاہ میں خالصاً صدق دل سے توبہ کرو، یقیناً یہ توبہ اس توبہ سے جو صرف زبانی ہو، خاص امتیاز واہمیت رکھتی ہے۔زیادہ علما توبہ میں جلدی کو واجب قرار دیتے ہیں۔یعنی آدمی توبہ کرنے میں ہرگز سستی سے کام نہ لے۔اہل سنت وجماعت کے نزدیک توبہ کی تین شرطیں منقول ہیں(۱).فی الفور گناہ چھوڑ دینا (۲) آئندہ نہ کرنے کا پختہ عہد کرنا (۳) اس کے ارتکاب پر افسوس کرنا۔

حضرت سری سقطی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ: ہمیشہ گناہ کو یاد رکھنے کا نام توبہ ہے اور حضرت سفیان ثوری کہتے ہیں: کہ خدا کے سوا سب چیزوں سے قطع تعلق کا نام توبہ ہے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! **ما التوبة النصوح** اے جان عالم! توبۂ نصوح کس کو کہتے ہیں؟ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو گناہ بندے سے سرزد ہو اس پر نادم اور شرمسار ہو۔بارگاہ الٰہی میں معذرت طلب کرے۔جس طرح دودھ کھیری میں دوبارہ داخل نہیں ہوسکتا پھر اس سے یہ گناہ صادر نہ ہو۔

امام نووی فرماتے ہیں: سچی توبہ وہ ہے جس میں تین چیزیں جمع ہوں: (۱) اس گناہ کو ترک کردے۔(۲) جو گناہ کر بیٹھا اس پر دل میں ندامت اور شرمندگی محسوس کرے۔(۳) پختہ عزم کرے کہ پھر یہ گناہ نہیں کرے گا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک اعرابی کو سنا کہ وہ کہہ رہا ہے: یا اللہ! میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور تیرے حضور توبہ کرتا ہوں۔

حضرت علی نے فرمایا: اے اعرابی! یہ تو جھوٹوں کی توبہ ہے۔اعرابی نے عرض کیا: فرمایئے سچوں کی توبہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: جس توبہ میں یہ چھ چیزیں پائی جائیں وہ سچوں کی توبہ ہوتی ہے: (۱) جو گناہ پہلے ہو چکے ہیں ان پر ندامت (۲) جو فرض ادا نہیں ہوئے ان کی قضا۔(۳) کسی کا حق غصب کیا تو اسے لوٹا دے (۴) جس کے ساتھ لڑائی جھگڑا کیا ہے اس سے معافی لے لے۔ (۵) پختہ عزم کرے کہ آئندہ گناہ نہیں کرے گا۔(۶) جس طرح پہلے تو نے اپنے نفس کو بدکاریوں سے فربہ کیا ہے اب اطاعت الٰہی میں اس کو گلا دے۔یہ سچوں کی توبہ ہے، یہ کاملین کی توبہ ہے۔

یہ یاد رہے کہ گناہوں پر کبھی ندامت، کبھی افسوس اس لیے ہوتا ہے کہ ان سے صحت تباہ ہوگئی، مال برباد ہوگیا، عزت خاک میں مل گئی۔اگر کوئی شخص ان وجوہات سے اپنے گناہوں پر نادم ہوتا ہے تو اسے توبہ نہیں کہا جائے گا۔توبہ اس وقت ہوگی جب اسے اس بات پر ندامت ہو کہ اس نے اپنے رب کریم کی حکم عدولی کی ہے، اپنے نفس امارہ کو خوش کرنے کے لیے اپنے پروردگار کو ناراض کردیا ہے۔اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ایسا کر کے اس نے اپنے اوپر ظلم ڈھایا ہے۔یہ سوچ کر توبہ کرے تب یہ توبہ قابل قبول ہوگی۔

حضرت جنید نے فرمایا کہ توبہ تین معانی پر حاوی ہے: (۱) گناہ پر پشیمانی (۲) جس چیز کو اللہ نے منع فرمایا ہے اس کو دوبارہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ (۳) حقوق انسانی کو ادا کرنے کی کوشش۔

مزید فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضرت سری سقطی کے پاس پہنچا تو میں نے ان کا رنگ بریدہ پایا میں نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا: کہ ایک جوان نے مجھ سے توبہ کے بارے میں دریافت کیا میں نے اس کو بتایا کہ توبہ یہ ہے کہ تو اپنے گناہ کو نہ بھولے، وہ نوجوان مجھ سے جھگڑنے لگا، اور کہا کہ توبہ تو یہ ہے کہ تو اپنے گناہوں کو بھلا دے۔میں نے کہا کہ میرے نزدیک تو توبہ کے یہی معنی ہیں۔جو اس جوان نے بتائے ہیں۔حضرت سری سقطیؒ نے پوچھا کیوں یہ معنی کیوں کر ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ میں اس لیے کہتا ہوں کہ جب میں رنج والم کے عالم میں ہوتا ہوں تو وہ مجھے آرام وراحت کی حالت میں لے جاتا ہے، اور آرام وراحت کی حالت میں رنج والم کو یاد کرنا ظلم ہے یہ سن کر وہ خاموش ہوگئے۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری نے فرمایا: توبہ یہ ہے کہ تو اپنے گناہوں کو نہ بھولے! حضرت جنید بغدادی نے کسی شخص کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ توبہ یہ ہے کہ اپنے گناہوں کو بھول جاؤ۔حضرت ابونصر سراج نے مذکورہ بالا (دونوں متضاد) قولوں کی تشریح کی ہے۔وہ فرماتے ہیں: کہ حضرت سہل

کے قول میں مریدوں اوران دوسرے لوگوں کے احوال کی طرف اشارہ ہے کہ وہ کبھی تو اپنے نفع کے سلسلے میں سوچتے ہیں اور کبھی نقصان پر افسوس کرتے ہیں۔لیکن حضرت جنید نے محققین کی توبہ کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ جب محققین کے دلوں پر عظمت الٰہی کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں اس لیے وہ اپنے گناہوں کو یاد ہی نہیں کر پاتے ،حضرت جنید کا یہ قول حضرت رویم کے قول کے مانند ہے کہ جب ان سے توبہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ ''توبہ کی یاد سے توبہ کرنا چاہیے۔''

حضرت ذوالنون مصری نے فرمایا: کہ عوام کی توبہ گناہوں سے ہوتی ہے اور خواص کی غفلت سے۔حضرت ابوالحسن نوری نے فرمایا: کہ توبہ یہ ہے کہ ماسوااللہ سے توبہ کیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن محمد بن علی نے فرمایا: کہ ایک توبہ کرنے والا تو اپنی لغزشوں سے توبہ کرتا ہے۔ایک تائب غفلت سے توبہ کرتا ہے،اور ایک توبہ کرنے والا نیکیوں کے دیکھنے سے توبہ کرتا ہے، ظاہر ہے کہ ان تینوں میں کتنا عظیم فرق ہے۔

حضرت ابوبکر واسطی نے فرمایا: کہ خالص توبہ یہ ہے کہ تائب کے ظاہر وباطن میں معصیت کا شائبہ بھی باقی نہ رہے۔جس کی توجہ خالص ہوتی ہے وہ پرواہ نہیں کرتا کہ توبہ کے بعد اس کی شام کیسی گزری اور صبح کیسی ہوئی۔

حضرت یحیٰ بن معاذ رازی نے مناجات میں کہا !الٰہی !میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میں نے توبہ کی ہے نہ یہ کہتا ہوں کہ اب ایسا نہیں کروں گا۔کیوں کہ میں اپنی سرشت کو پہچانتا ہوں اور نہ میں اس کی ضمانت دے سکتا ہوں کہ آئندہ گناہ نہیں کروں گا کیونکہ میں اپنی کمزوریوں کو جانتا ہوں۔پھر بھی میں کہتا ہوں کہ آئندہ ایسا نہیں کروں گا کیونکہ شاید میں دوبارہ ایسا کرنے سے پہلے مرجاؤں۔

نیز حضرت ذوالنون مصری نے فرمایا: کہ گناہوں کو چھوڑے بغیر توبہ کرنا جھوٹوں کی توبہ ہے،آپ نے یہ بھی فرمایا کہ:توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ زمین اپنی وسعت وفسحت کے باوجود تجھ پر تنگ ہو جائے یہاں تک کہ تیرے لیے فرار کی راہ باقی نہ رہے۔اس کے بعد تیری جان تجھ پر تنگ ہو جائے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے :فراخ ہونے کے باوجود زمین ان پر تنگ ہوگئی اوران کی جانیں ان پر تنگ ہوگئیں اور انھوں نے جان لیا کہ اللہ کے سوا اور کوئی ذریعہ اللہ سے بچاؤ کا نہیں ہے پھر اللہ نے ان کی طرف توجہ فرمائی تا کہ وہ اسی کی طرف لوٹ آئیں۔

ابن عطا نے فرمایا : کہ توبہ دو طرح کی ہے: **توبۂ انابت اور توبۂ استجابت**۔توبۂ انابت یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے توبہ کرے۔ توبۂ استجابت یہ ہے کہ بندہ خداوند تعالیٰ کے لطف وکرم سے حیا کرتے ہوئے توبہ کرے۔

حضرت یحیٰ بن معاذ رازی نے فرمایا: کہ توبہ کے بعد کا ایک گناہ' توبہ سے پہلے کے ستر گناہوں سے بدتر ہے۔

حضرت ابوعمر انطاقی نے فرمایا: کہ علی بن عیسی وزیر ایک عظیم لشکر کے ساتھ جارہا تھا۔عوام پوچھنے لگے کہ یہ کون شخص ہے؟ سرراہ کھڑی ہوئی ایک ضعیفہ نے کہا کہ کیا تم یہ پوچھتے ہو کہ یہ کون ہے؟ یہ ایک بندہ ہے جو خدا کی نظروں سے گر گیا ہے اور خدا نے اس کو دنیا میں مبتلا کر دیا ہے جس میں تم اسے دیکھ رہے ہو' ضعیفہ کی یہ بات علی بن عیسی نے سن لی۔گھر واپس جا کر انھوں نے وزارت سے استعفا دے دیا اور مکہ مکرمہ میں پہنچ کر مقیم ہوگئے۔ (غنیۃ الطالبین اردو ص۲۶۶)

قبول توبہ کے تعلق سے معتزلہ کی تین شرطیں اوراس کا رد:

اول: بندوں کے حقوق کو ادا کرنا۔دوم: پھر وہ کام کبھی نہ کرنا۔سوم: ہمیشہ اور ہر وقت پشیمان رہنا۔معتزلہ قبول توبہ کے لیے ان تین باتوں کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ جب کہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک ان میں سے کوئی بات توبہ کے قبول ہونے کے لیے شرط نہیں ہے اس لیے کہ **اولاً**: بندوں کے حقوق کی ادائیگی واجبات سے ہے لہٰذا صرف توبہ سے معاف نہیں ادائیگی ضروری ہے۔**دوم**: اس لیے بندہ کبھی اپنے گناہ پر ایک عرصہ نادم رہتا ہے لیکن پھر وسوسۂ شیطانی کی بنیاد پر کر گزرتا ہے تو زیادہ سے زیادہ اس کو دوسری مرتبہ توبہ کرنی ضروری ہوگی۔**سوم**: اس لیے کہ ہر وقت پشیماں رہنے میں سخت جرح لازم آتا ہے۔معتزلہ قبول توبہ کے تعلق سے یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ توبہ قبول کرنا خدا پر واجب ہے جب کہ اہل سنت کا ایسا عقیدہ نہیں یہ اس کی مہربانی اور فضل ہے کہ وہ ہماری توبہ قبول فرماتا ہے۔

(۲) توبہ انابت:

بعض کہتے ہیں کہ توبہ کی دوسری قسم ''توبہ انابت'' اور توبہ استجابت بھی ہے۔توبہ انابت کی تعریف یہ ہے کہ بندہ کو خدا کا خوف ہوا کہ کس بات پر قادر مطلق ہے۔اور توبہ استجابت یہ ہے کہ خداوند کریم سے اس بات پر حیا آئے کہ وہ گناہ کرتے وقت پاس تھا پھر بھی وہ گناہ کرنے جارہا ہے۔

(۳)توبہ عوام ، توبہ خواص، توبہ اخص الخواص:

بعض کہتے ہیں کہ توبہ کی تین قسمیں ہیں : توبہ عوام،توبہ خواص،توبہ اخص الخواص۔گناہ سے رجوع کرنے اور دل سے افسوس کرنے کا نام توبہ

عوام ہے۔اور توبہ خواص کا معنی یہ ہے کہ بندہ اپنی نیکیوں کو حقیر سمجھے اور دل میں یہ خیال کرے کہ میری کوئی نیکی خدا کی بارگاہ میں قبولیت کے ہرگز لائق نہیں اور اس طرح وہ اپنے نیکیوں سے عذر خواہی کرے جیسے گنہ گار اپنے گناہوں سے عذر خواہی کرتا ہے۔ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مصطفیٰ رضا نوری بریلوی نے خوب کہا ہے ۔

میرے اعمال کا بدلہ تو جہنم ہی تھا
میں تو جاتا میرے سرکار نے جانے نہ دیا

توبہ خاص الخواص کے معنی ہیں مخلوقات سے بے نیاز ہو کر محض خداوند کریم سے لو لگائے رکھنا نفع و نقصان سے بالاتر ہو کر۔

(۴) توبہ صحیح ، توبہ اصح ۔ اور توبہ فاسد:

بعض نے توبہ کے یہ تین اقسام شمار کرائے ہیں: توبہ صحیح ،توبہ اصح اور توبہ فاسد۔ صحیح یہ ہے کہ اگر آدمی گناہ کر بیٹھے تو فوراً اسی وقت سچے دل سے توبہ کرے، اور توبہ فاسد یہ ہے کہ پھر کبھی وہی کام کر بیٹھے۔ اصح توبہ۔ توبۃ النصوح ہے یعنی خالص توبہ۔ قرآن مجید میں اسی توبہ کا بیان آیا ہے۔ ارشاد ہے: اللہ کی طرف ایسی توبہ کرو جو آگے نصیحت ہو جائے۔

ارکانِ توبہ:

توبہ کے چار ارکان ہیں: حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں: توبہ کے چار ارکان ہیں؛ پہلا رکن یہ ہے کہ: جو گناہ سرزد ہوا ہے اس پر نادم ہو۔ دوسرا رکن یہ ہے کہ: اس گناہ کو فی الفور ترک کردے۔ تیسرا رکن یہ ہے کہ آئندہ اس گناہ سے باز رہنے کا عزم مصمم کرے۔ اور چوتھا رکن یہ ہے کہ: حسب مقدور اس گناہ کا تدارک اور تلافی کرے مثلاً نماز چھوٹ گئی ہے تو اس کی قضا پڑھے اور کسی کا مال غصب کیا تھا تو اس کو واپس کردے اور کسی کو گالی دی ہے تو اس سے معافی مانگے۔ (شرح صحیح مسلم؛ بحوالہ احیاء العلوم ج ۷ ص ۹۴۳)

بہتر شخص: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کل ابن آدم خطا و خیر الخطائین التوابین ۔ ہر ابن آدم خطا کرتا ہے اور خطا کاروں میں بہتر شخص وہ ہے جو توبہ کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی ص ۳۵۹ بحوالہ شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۴۴۵)

نبی اور امتی کے توبہ میں فرق :مشکوٰۃ باب مایقر أبعد التکبیر . میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ایک طویل حدیث مروی ہے اس موضوع سے متعلق ۔حدیث کا ایک ٹکڑا یہ ہے: **استغفرک و اتوب الیک** . اے اللہ! میں تجھی سے معافی چاہتا ہوں۔ اور توبہ کرتا ہوں بعض جاہل گنوار اور گستاخ رسول اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ معاذ اللہ جب آپ سے گناہ و خطا کا صدور ہی نہ ہوا تو معافی اور توبہ کا کیا مطلب ہے۔ ان بدبختوں کو نہیں معلوم کہ امتی اور نبی کے توبہ و استغفار میں بڑا فرق ہے عام بندہ گناہوں پر نادم ہو کر توبہ و استغفار کرتا ہے جب کہ خواص نیکیاں کر کے بھی توبہ و استغفار کرتے ہیں۔ حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمۃ کے قلم سے اس حدیث کی نفیس تشریح ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں کہ: گزشتہ گناہوں پر ندامت و شرمندگی اور آئندہ گناہوں سے بچنے کا ارادہ توبہ ہے اور معافی چاہنا استغفار ہم لوگ گناہ کر کے توبہ کرتے ہیں اور خاص بندے گناہ نہیں کرتے اور توبہ کرتے ہیں۔ خاص الخاص نیکیاں کرتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں کہ خدایا تیری شان کے لائق ہم سے نیکی نہ ہو سکی۔

زاہداں از گناہ توبہ کنند
عارفاں از اطاعت استغفار

لہٰذا حضور کی ان دعاؤں سے دھوکہ نہ کھاؤ ان کی توبہ استغفار ان کی شان کے لائق ہے۔

ندامت کے آنسو :

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ کی ایک گلی سے گزر رہے تھے۔ آپ نے ایک جوان کو دیکھا جو کپڑوں کے نیچے شراب کی بوتل چھپائے چلا آرہا تھا۔ آپ نے پوچھا اے جوان! اس بوتل میں کیا لیے جا رہے ہو؟ جوان بہت شرمندہ ہوا کہ میں کیسے کہوں اس بوتل میں شراب ہے۔ اس وقت اس جوان نے دل ہی دل میں دعا مانگی اے اللہ! مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روبرو شرمندگی اور رسوائی سے بچا میرے عیب کو ڈھانپ لے ، میں پھر کبھی شراب نہیں پیوں گا'' جوان نے حضرت عمر کو جواب دیا امیر المؤمنین! یہ سرکہ ہے، آپ نے فرمایا مجھے دکھاؤ تو سہی چنانچہ آپ نے دیکھا تو وہ سرکہ تھا۔

اے انسان! ذرا غور کر ایک بندہ بندے کے ڈر سے خلوص دل سے تائب ہوا تو اللہ نے اس کی شراب کو سرکہ میں تبدیل کردیا، اسی طرح اگر کوئی گنہگار اپنے گناہوں پر شرمندہ ہو کر توبہ کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نافرمانیوں کی شراب کو فرمانبرداری کے سرکہ میں تبدیل کردیتا ہے (جیسا کہ اس جوان کے معاملہ میں ہوا جو اپنی برائیاں اپنے دفتر میں لکھ لیتا تھا) (مکاشفۃ القلوب اردو ص ۷۶)

ایک جوان کا واقعہ : ایک جوان تھا وہ جب بھی کوئی گناہ کرتا تو اسے اپنے دفتر میں لکھ لیتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے کوئی گناہ کیا، جب لکھنے کے

لیے دفتر کھولا تو دیکھا اس میں اس آیت کے سوا کچھ بھی نہیں لکھا ہوا تھا: ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کرتا ہے۔ (مکاشفۃ القلوب ص ۷۶)

اللہ عزوجل کی بارگاہ میں باربار توبہ کرنا:

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور آکر عرض کیا: ہم میں سے کوئی شخص گناہ کرتا ہے، آپ نے فرمایا وہ لکھ دیا جاتا ہے، اس نے کہا وہ اس پر توبہ اور استغفار کرتا ہے، آپ نے فرمایا اس کی مغفرت کی جاتی ہے، اور توبہ قبول کی جاتی ہے، اس نے عرض کیا دوبارہ گناہ کرتا ہے آپ نے فرمایا اس پر گناہ لکھ دیا جاتا ہے، اس نے عرض کیا وہ اس پر پھر توبہ اور استغفار کرتا ہے، آپ نے فرمایا اس کی مغفرت کی جاتی ہے، اور اس کی توبہ قبول ہوجاتی ہے، اللہ اس وقت تک نہیں اکتاتا جب تک تم نہ اکتا جاؤ۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم کبیر اور اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۴۴۵)

عتبہ الغلام کا عجیب واقعہ: عتبہ الغلام رحمۃ اللہ علیہ جن کی فتنہ انگیزی اور شراب نوشی کی داستانیں مشہور تھیں، ایک دن جناب حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں آیا، اس وقت حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ: آیت اَلَمْ یَانِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ . کی تفسیر بیان کر رہے تھے، یعنی مؤمنوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ سے ڈریں۔ آپ نے اس آیت کی ایسی تشریح کی کہ لوگ رونے لگے، ایک جوان مجلس میں کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا اے بندۂ مومن! کیا مجھ جیسا فاسق و فاجر بھی اگر توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں! اللہ تعالیٰ تیرے گناہوں کو معاف کردے گا، جب عتبہ الغلام نے یہ بات سنی تو اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور کانپتے ہوئے چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا، جب اسے ہوش آیا تو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے قریب آکر چند اشعار پڑھے جن کے ترجمہ مندرجہ ذیل ہیں: (۱) اے اللہ کے نافرمان جوان! جانتا ہے نافرمانی کی سزا کیا ہے؟ (۲). نافرمانوں کے لیے پرشور جہنم ہے اور حشر کے دن اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی ہے۔ (۳) اگر تو نار جہنم پر راضی ہے تو بے شک گناہ کرتا رہ، ورنہ گناہوں سے رک جا۔ (۴) تو نے اپنے گناہوں کے بدلے اپنی جان کو رہن رکھ دیا ہے، اس کو چھڑانے کی کوشش کر۔

عتبہ نے پھر چیخ ماری اور بے ہوش ہو گیا، جب ہوش آیا تو کہنے لگا اے شیخ! کیا مجھ جیسے بدبخت کی رب رحیم توبہ قبول کرلے گا؟ آپ نے کہا درگزر کرنے والا رب ظالم بندے کی توبہ قبول فرمالیتا ہے، اس وقت عتبہ نے سر اٹھا کر رب سے تین دعائیں کیں:۔

(۱) اے اللہ! اگر تو نے میرے گناہوں کو معاف اور میری توبہ کو قبول کرلیا ہے تو ایسے حافظے اور عقل سے میری عزت افزائی فرما کہ میں قرآن مجید اور علوم دین میں سے جو کچھ بھی سنوں، اسے کبھی فراموش نہ کروں۔ (۲) اے اللہ! مجھے ایسی آواز عنایت فرما کہ میری قرأت کو سن کر سخت سے سخت دل بھی موم ہوجائے۔ (۳) اے اللہ! مجھے رزق حلال عطا فرما اور ایسے طریقے سے دے جس کا میں تصور بھی نہ کرسکوں۔

اللہ نے عتبہ کی تینوں دعائیں قبول کرلیں، اس کا حافظہ اور فہم و فراست بڑھ گئی اور جب وہ قرآن کی تلاوت کرتا تو ہر سننے والا گناہوں سے تائب ہوجاتا تھا، اور اس کے گھر میں ہر روز ایک پیالہ شوربہ کا اور دو روٹیاں (رزق حلال سے) پہنچ جاتیں، اور کسی کو معلوم نہیں تھا کہ یہ کون رکھ جاتا ہے اور عتبہ غلام کی ساری زندگی ایسا ہی ہوتا رہا یہ اس شخص کا حال ہے جس نے اللہ تعالیٰ سے لو لگائی۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَمَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا. بے شک اللہ تعالیٰ نیک عمل کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

سوال: کسی عالم سے پوچھا گیا کہ جب بندہ توبہ کرتا ہے تو کیا اسے اپنی توبہ کے مقبول یا غیر مقبول ہونے کا پتہ چل جاتا ہے؟

جواب: عالم نے جواب دیا ایسی مکمل بات تو نہیں البتہ کچھ نشانیاں ہیں جن سے توبہ کی قبولیت کا پتہ چلتا ہے، وہ اپنے آپ کو گناہوں سے پاک رکھتا ہے، اس کے دل سے خوشی غائب ہوجاتی ہے، ہر دم اللہ کو موجود سمجھنے لگتا ہے، نیکوں کے قریب اور بروں سے دور رہنے لگتا ہے، دنیا کی تھوڑی سی نعمت کو عظیم اور آخرت کے لیے کثیر نیکیوں کو بھی قلیل سمجھتا ہے، اپنے دل کو ہر وقت فرائض خداوندی میں مصروف اور اپنی زبان کو بند رکھتا ہے، ہمیشہ اپنے گزشتہ گناہوں پر غور و فکر کرتا رہتا ہے، غم اور پریشانی کو اپنے لیے لازم کرلیتا ہے۔ (مکاشفۃ القلوب اردو، ص ۷۸)

حضرت ابو ہریرہ اور ایک گنہ گار عورت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ ایک رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز عشاء پڑھ کر باہر نکلا، راستہ میں مجھے ایک عورت ملی، اس نے مجھ سے پوچھا میں نے ایک گناہ کرلیا ہے، کیا میں توبہ کرسکتی ہوں، میں نے پوچھا تو نے کون سا گناہ کیا ہے؟ عورت بولی میں نے زنا کیا تھا اور اس زنا سے بچہ پیدا ہوا تو میں نے اسے قتل کردیا، میں نے کہا تو تباہ ہوگئی، تیرے لیے کوئی توبہ نہیں ہے، وہ عورت بے ہوش ہوکر گر پڑی اور میں اپنی راہ چل دیا، تب میرے دل میں خیال آیا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے بغیر یہ بات کیوں کہہ دی۔ چنانچہ میں آپ کی

خدمت میں آیا اور سارا واقعہ عرض کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم نے بہت برا کیا، کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی؟ وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ ۔ اور وہ لوگ جو نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ کسی اور خدا کو۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جوں ہی میں نے یہ بات سنی میں اس عورت کی تلاش میں نکلا اور ہر کسی سے پوچھنے لگا مجھے اس عورت کا پتہ بتلاؤ جس نے مجھ سے مسئلہ پوچھا تھا یہاں تک کہ بچے مجھے پاگل سمجھنے لگے، بالآخر میں نے اس عورت کو تلاش کر ہی لیا اور اسے یہ آیت سنائی جب میں فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنَاتٍ تک سنا چکا تو وہ خوشی سے دیوانی ہوگئی اور کہنے لگی میں نے اپنا باغ اللہ اور رسول کے لیے بخش دیا۔ (مکاشفۃ القلوب اردو ص ۷۷)

زادان کے قبول توبہ کا عجیب واقعہ :

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ کی ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ ایک فاسق کے گھر میں بہت سے اوباش جمع تھے اور شراب پی جا رہی تھی، ان لوگوں میں ایک گانے والا بھی تھا جس کا نام زادان تھا وہ بربط پر عمدہ آواز سے گا رہا تھا، حضرت ابن مسعود نے اس کی آواز سن کر فرمایا: کیسی اچھی آواز ہے، کاش یہ قرآن کی تلاوت کرتا تو کتنا اچھا ہوتا پھر آپ اپنی چادر سر پر ڈال کر آگے بڑھ گئے۔ زادان نے آپ کی آواز سن لی، لوگوں سے پوچھا یہ کون صاحب تھے۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ رسول اللہ کے صحابی حضرت عبداللہ ابن مسعود ہیں۔ زادان نے کہا یہ کیا فرما رہے تھے۔ لوگوں نے کہا وہ کہہ گئے ہیں ”کتنی اچھی آواز ہے کاش گانے کے بجائے قرآن کی تلاوت کی جاتی تو کتنا اچھا ہوتا۔“ یہ سنتے ہی زادان کے دل پر ہیبت طاری ہوگئی فوراً اٹھ کھڑا ہوا، بربط کو زمین پر مار کر توڑ ڈالا اور دوڑتا ہوا حضرت تک پہنچا اور گلے میں چادر ڈال کر (خطا کار کی شکل بنا کر) رونے لگا آپ نے زادان کو گلے لگا لیا اور اسکے ساتھ خود بھی رونے لگے۔ اور فرمایا: ”میں کیسے اس سے محبت نہ کروں جس سے اللہ کو محبت ہے“ اس کے بعد زادان نے بربط بجانے اور گانے سے توبہ کر لی اور حضرت ابن مسعود کی خدمت میں رہنے لگا۔ یہاں تک کہ قرآن پاک پڑھ لیا اور اتنا علم حاصل کیا کہ علم دین کا امام بن گیا۔ چنانچہ زادان نے بہت سی حدیثیں حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہیں۔ (غنیۃ الطالبین اردو ص ۲۶۱)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مانند ہے جس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ ایک روایت میں اس حدیث میں اتنا اور زیادہ ہے ”اگر چہ دن میں ستر بار گناہ کرے اور توبہ کرے“۔ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ جو شخص تین بار اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَیْہِ ، پڑھے گا اس کے تمام گناہ معاف کر دئے جائیں گے خواہ وہ مقدار میں سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ یہ بھی حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ آدمی قیامت کے دن اپنے اعمال نامہ میں اول گناہوں کو مندرج اور آخر میں نیکیوں کو درج پائے گا لیکن جب دوبارہ اعمال نامہ کے آغاز پر نظر ڈالے گا تو اس کو سب نیکیاں ہی نیکیاں تحریر نظر آئیں گی آیت کریمہ فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنَاتٍ (یہ وہی لوگ ہوں گے کہ اللہ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا) کے یہی معنی ہیں اور یہ اس توبہ کرنے والے کے حق میں ہے جس کا خاتمہ انابت اور توبہ پر ہوا ہو۔ (غنیۃ الطالبین ص ۲۶۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص موت سے محض اس قدر پہلے توبہ کر لے جتنے وقت میں اونٹنی کا دودھ دوہا جاتا ہے تو اس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے۔ (شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۴۴۵ بحوالہ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۹۷)

ایک جگہ وارد ہے کہ جو شخص گناہ سے توبہ کرے وہ اس کی مثل ہے جس کا گناہ نہ ہو اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا اور اس کے تمام راوی صحیح ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے جو شخص گناہ کرے، پھر اٹھ کر وضو کرے اور نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کر دیتا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۸۵)

توبہ کی شناخت کے لیے چار باتیں :

توبہ کرنے والے کی توبہ کی شناخت چار باتوں سے ہوتی ہے۔ اول زبان کو بے ہودہ باتوں، غیبت، چغل خوری اور جھوٹ سے روک لے۔ دوم اپنے دل میں کسی کی طرف سے حسد اور دشمنی نہ رکھے۔ سوم: برے لوگوں سے دور رہے کیونکہ یہ لوگ برائی کی طرف اس کو راغب کریں گے اس طرح توبہ کی پختگی میں فتور ڈالیں گے اور اس کی توبہ ٹوٹ جائے گی۔ ان باتوں کو اپنا تا رہے جن سے توبہ میں پختگی آتی ہے اور ان باتوں سے پرہیز کرے جن سے توبہ میں لچک پیدا ہوتی ہے لہذا امید، قوت اور قلبی ارادے کو مضبوط کرے کیونکہ اس طرح اس میں قوت اور ولولہ پیدا ہوگا اور یہ ارادہ توبہ کو برقرار رکھنے کا محرک ہوگا، پس ممنوعات شرعیہ سے دور رہے اور نفس امارہ کو خواہشوں کی تکمیل سے باز رکھے اور اس کو روکے رہے تاکہ وہ

دوبارہ گناہ کا ارتکاب نہ کرے۔ چہارم: بندہ (توبہ کرنے والا) خودکو ان کاموں سے الگ رکھے جس کا ذمہ خود حق تعالیٰ نے لیا ہے مثلاً رزق وغیرہ اور ان کاموں (اطاعت و بندگی) میں مصروف ہو جائے جس کی ادائیگی کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ جب تم کسی توبہ کرنے والے میں یہ علامتیں موجود پاؤ تو جان لو کہ وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ (توبہ کرنے والوں کو اللہ دوست رکھتا ہے)(غنیۃ الطالبین اردو ص ۲۶۴)

لوگوں پر چار باتوں کی ذمہ داری عائد ہوتی ہیں:

اللہ عز و جل کی طرف سے بندوں پر چار باتوں کی ذمہ داری عائد ہوتی ہیں۔ اول: یہ کہ لوگوں کو چاہیے کہ ایسے شخص سے محبت کریں کیونکہ اس بندے نے اللہ سے محبت کرنا شروع کر دی ہے۔ دوم: لوگ اپنی دعاؤں کے ذریعے اس کی توبہ کی حفاظت کریں اور کہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے توبہ پر قائم رکھے۔ سوم: لوگ اس کو اس کے گزشتہ (سابقہ) گناہوں پر ملامت نہ کریں۔ طعنہ نہ دیں، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کہ جس نے کسی مومن (توبہ کرنے والے) کو اس کی برائی (گناہ) کے ساتھ ملامت کی تو وہ برائی اس مومن کے لیے کفارہ بن جائے گی۔ اور اللہ تعالیٰ اگر چاہے گا تو برائی کرنے والے کو اس برائی میں مبتلا کر دے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کے کسی گزرے ہوئے گناہ سے اس پر طعنہ زن ہو تو وہ دنیا سے اس وقت تک نہیں جائے گا جب تک وہ خود اس جرم کا ارتکاب نہ کر لے۔ اور اس کے باعث رسوا نہ ہو، اس لیے کہ کوئی مومن ارتکاب گناہ کا ارادہ نہیں کرتا نہ اپنے دل سے قصد گناہ کرتا ہے۔ نہ گناہ کو دین کا جزو سمجھتا ہے کہ اسے دینداری کے طور پر کرتا ہو۔ صرف شیطان کی فریب دہی، جوش شہوت اور نفسانی شوق کی فراوانی، غفلت اور فریب خوردگی کی وجہ سے اس سے گناہ واقع ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ کَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَ الْعِصْیَانَ اور اللہ نے کفر، فسق اور نافرمانی کو تمھارے لیے ناپسندیدہ بنا دیا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرما دی ہے کہ اہل ایمان کے نزدیک معصیت انتہائی ناگوار چیز ہے اس لیے مومن جب توبہ کرے اور اللہ کی طرف رجوع ہو جائے تو اس کو توبہ کردہ گناہ یاد دلا کر شرمندہ کرنا جائز نہیں بلکہ اس کے لیے دعا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس توبہ پر اس کو قائم رکھے اور اس کو توفیق دے اور اس کی حفاظت فرمائے۔ چہارم: لوگوں پر واجب ہے کہ اس کے ساتھ بیٹھیں، اٹھیں، اس سے بات چیت کریں، اس کے مدد و معاون ہوں اور اس کی عزت کریں۔

توبہ کرنے والے کو بھی اللہ تعالیٰ چار باتوں سے سربلند و معزز فرماتا ہے۔ (۱) گناہوں سے اس کو اس طرح نکال لیتا ہے جیسے اس نے گناہ ہی نہیں کیا۔ (۲) اللہ تعالیٰ اس کو اپنا دوست بنا لیتا ہے۔ (۳) شیطان اس پر غالب نہیں ہوتا۔ (۴) دنیا سے رخصت ہونے سے قبل اس کو خوف سے امن و امان بخشتا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ان پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ تم خوف نہ کرو اور نہ حزن و ملال! تم کو اس جنت کی خوشخبری ہو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ (غنیۃ الطالبین ص ۲۶۴)

استغفار سے متعلق ارشادات ربّانی:

توبہ و استغفار قریب المعنی الفاظ ہیں مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے چونکہ توبہ گناہوں پر نادم ہو کر کرتے ہیں اور استغفار یوں بھی کرتے رہنا چاہیے۔ استغفار کے بارے میں ارشادِ ربّانی ہے۔ اور یہ کہ اپنے رب سے معافی مانگو پھر اس کی طرف توبہ کرو تمہیں بہت اچھا برتنا دے گا. ایک ٹھہرائے وعدہ تک اور ہر فضیلت والے کو اس کا فضل پہنچائے گا۔ (سورۂ ہود: ۳)

اسی سورت کی دوسری آیت کریمہ میں ارشاد ہے: اور اے میری قوم! اپنے رب سے معافی چاہو پھر اس کی طرف رجوع لاؤ تم پر زور کا پانی بھیجے گا۔ (سورۂ ہود: ۵۸) اور سورۂ مزمل میں ارشاد ہے: اور اللہ سے بخشش مانگو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (سورۂ مزمل: ۲۰)

استغار کے متعلق احادیث کریمہ: سیدُ الاستغفار:

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سید الاستغفار یہ ہے کہ بندہ یہ کہے کہ اے اللہ! تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، تو نے ہی مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کیے ہوئے وعدہ اور عہد پر بہ قدر استطاعت قائم ہوں، میں اپنے کاموں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ مجھ پر جو تیری نعمتیں ہیں میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں، تو مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا اور کوئی گناہوں کو نہیں بخشتا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یقین کے ساتھ ان کلمات کو دن میں کہے اور اسی دن شام سے پہلے فوت ہو جائے تو وہ اہل جنت سے ہوگا، اور جس نے یقین کے ساتھ ان کلمات کو رات میں کہا اور وہ صبح ہونے سے پہلے فوت ہو گیا تو وہ اہل جنت سے ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: بخدا میں دن میں ستر بار سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔ (شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۴۴۶) ❑❑

ابو اُسامہ ظفر القادری بکھروی☆

فقہ حنفی اور غیر مقلدین کے اعتراضات کے جوابات

عرصہ سو سال سے زیادہ ہو چکا ہے مگر جو فتنہ فقہ اسلامی خصوصًا فقہ حنفی کے خلاف انگریزوں نے پاک و ہند میں کھڑا کیا تھا وہ ختم ہونے کی بجائے ایک منظّم گروہ کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ ان کو امداد دینے والوں میں نجدی عرب خصوصاً پیش پیش ہیں۔ یہ گروہ اپنے وجود کی یہ دلیل دیتا ہے کہ تم چونکہ قرآن وسنت کو چھوڑ کر فقہ کے پیچھے لگ چکے ہو اور فقہ قرآن وسنت کے خلاف ہے اس لیے تم میں بہت اختلافات ہیں۔ لہٰذا اس اختلاف کو ختم کرنے کا واحد ذریعہ قرآن وحدیث ہے اور ہمارا ہر معاملہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ لہٰذا ہم میں کوئی اختلاف نہیں، مگر یہ ایک خوش فہمی کے سوا کچھ نہیں۔ اس کا ثبوت 'فتاویٰ علمائے حدیث' سے حاضر خدمت ہے۔

''اور اس زمانہ میں ایک فرقہ نیا کھڑا ہوا ہے جو اتباعِ حدیث کا دعویٰ رکھتا ہے اور درحقیقت وہ لوگ اتباعِ حدیث سے کنارے (بہت دور) ہیں جو حدیثیں سلف اور خلف کے ہاں معمول بہا ہیں ان کو ادنیٰ سی قدح اور کمزوری جرح پر مردود کہہ دیتے ہیں اور صحابہ کے اقوال اور افعال کو ایک بے طاقت سے قانون اور بے نور سے قول کے سبب پھینک دیتے ہیں اور ان پر اپنے بیہودہ خیالوں اور بیمار فکروں کو مقدم کرتے ہیں اور اپنا نام محقق رکھتے ہیں حاشا وکلاّ اللہ کی قسم یہی لوگ ہیں جو شریعت نبویہ (کی حد بندی) کے نشان کو گراتے ہیں اور ملت حنیفیہ کی بنیادوں کو کہنہ کرتے ہیں اور سنت مصطفویہ کے نشانوں کو مٹاتے ہیں۔ احادیث مرفوعہ کو چھوڑ رکھا ہے اور متصل اسانید آثار کو پھینک دیا ہے اور ان کے دفع کرنے کے لیے وہ حیلے بناتے ہیں کہ جن کے لیے کسی یقین کرنے والے کا شرح صدر نہیں ہوتا اور نہ کسی مومن کا سر اٹھتا ہے۔'' (فتاویٰ علمائے حدیث ۷/۷۹،۸۰، مطبوعہ مکتبہ سعیدیہ خانیوال، فتاویٰ غزنویہ ۱/۲۰۶)

حالانکہ ان کے مدمقابل اہلِ قرآن یا منکرین حدیث تھے مگر ان سے ان کا کوئی مناظرہ نہیں ہوتا اور نہ ہی ان سے کوئی جھگڑا ہوتا، جھگڑا ہے تو صرف فقہ حنفی والوں سے ہے اور منکرینِ حدیثوں کی طرح شاذ روایات اور کتر بیونت کر کے عبارات پیش کرتے ہیں اور کم علم لوگوں کو بیوقوف بناتے ہیں اس مضمون میں انھی مسائل جن کو غیر مقلدین پیش کر کے فقہ حنفی پر لعن طعن کرتے ہیں اور فقہ حنفی کو قرآن وحدیث کے خلاف بتاتے ہیں کو قرآن وسنت کی روشنی میں پیش کیا جائے گا۔ اللہ رب العزت سمجھ عطا فرما کر راہِ ہدایت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

☆ پاکستان

مسائل کے ثبوت کے چار دلائل شرعیہ:

فقہ حنفی کا دعویٰ یہ ہے کہ کسی بھی مسئلے کے ثبوت کے لیے چار دلائل ہیں اور یہ بات فقہ حنفی کی ابتدائی کتب مثلاً اصول الشاشی وغیرہ میں موجود ہے۔ اب ان کا ثبوت ملاحظہ ہو:

(۱،۲) قرآن وسنت: چونکہ غیر مقلدین خود بھی قرآن وسنت کے قائل ہیں اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔

(۳،۴) اجماع وقیاسِ شرعی: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''تم میں سے جس شخص کو فیصلہ کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اس کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق حکم دے۔ اگر وہ فیصلہ کتاب اللہ میں نہ ملے تو اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق حکم دے۔ اگر وہ فیصلہ کتاب اللہ اور نبی کے فیصلوں میں نہ ہو تو نیک لوگوں کے فیصلوں کے مطابق حکم دے۔ اگر وہ کام ایسا ہو جو کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہ ملے اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام میں ملے اور نہ ہی نیک لوگوں کے فیصلوں میں ملے تو ''فَلْيَجْتَهِدْ'' پس اپنی رائے (قیاس) سے اجتہاد کرے۔'' یہ حدیث جید ہے یعنی صحیح ہے۔

(۱) سنن نسائی ۳/۴۶۸ رقم ۵۹۴۵ (۲) السنن الکبریٰ للبیھقی ۱۰/۱۱۵ رقم ۲۰۸۴۰ (۳) المعجم الکبیر للطبرانی ۸/۱۰۵ رقم ۸۸۲۸ (۴) سنن الدارمی ۱/۷۱ رقم ۱۶۵ (۵) مسند الدارمی ۱/۴۶۴ رقم ۱۶۷ (۶) مصنف ابن ابی شیبہ ۷/۲۴۱ رقم ۲۳۴۴۵ (۷) مصنف عبدالرزاق ۸/۳۰۱ رقم ۱۵۲۹۵ (۸) جامع بیان العلم وفضلہ ۲/۸۴۸ رقم ۱۵۹۹ (۹) الفقیہ والمتفقہ للخطیب ۲/۹۱ رقم ۵۲۹ (۱۰) شرح صحیح البخاری لابن بطال ۱۰/۳۵۴ (۱۱) جامع الاصول ۱۰/۷۶۷۴ (۱۲) کنزالعمال ۵/۸۱۳ رقم ۱۴۴۶۰ (۱۳) مفتاح الجنۃ ۱/۴۷ (۱۴) حجۃ اللہ البالغۃ ۱/۳۲۲ (۱۵) مختصر تاریخ دمشق ۲/۳۶۴

اسی مفہوم کی روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ہے دیکھیے:

(۱) سنن نسائی ۸/۲۳۱ رقم ۵۳۹۹ مطبوعہ حلب (۲) الاحادیث المختارہ للضیاء المقدسی ۱/۸۳ (۳) جامع الاصول

١٠/٧٦٧٥ (٤)مسند الصحابه فى الكتب التسعة٢٧/١٩٠ (٥) دراسة نقدية ٢/٧٨٦ (٦)ارشادالنقاد الى تيسر الاجتهاد ١/١٧٨ (٧)الاحكام لابن حزم٦/٢٤١ (٨) شرح الزركشي مطبوعه بيروت ٣/٣٧٣ رقم٣٨٠٢ (٩)اعلام الموقعين٢/٢٠٣

اسی طرح عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰه علیه وسلم اَلْعِلْمُ ثَلَاثَةٌ ،وَمَا سِوٰی ذَالِکَ فَھُوَ فَضْل مُحْکَمَةٌ،اَوْسُنَّةٌ قَائِمَةٌ،اَوْ فَرِیْضَةٌ عَادِلَةٌ.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: علم تین ہیں اور اس کے علاوہ باقی زائد ہیں۔ (ا) محکم آیات کا علم (۲) قائم کرنے والی سنتوں کا علم (۳) میراث کے حصوں کا از روئے انصاف علم۔

(١)سنن ابوداؤد ٣/١١٩رقم٢٨٨٥ (٢)سنن ابن ماجه ١/٢١رقم٥٤ (٣)سنن الكبرىٰ للبيهقى ٦/٢٠٨رقم ١١٩٥٢(٤) سنن دارقطنى ٥/١١٨رقم٤٠٦٠ (٥)جامع بيان العلم وفضله ١/٧٥٢رقم١٣٨٦ (٦)شرح مذاهب اهل السنة١/٤٩رقم٤٦ (٧) عمدة القارى شرح بخارى٣٤/١٠١ (٨)جامع العلوم و الحكم ٧/٢٥ (٩) كنزالعمال ١٠/ ١٣٢رقم٢٨٦٥٩ (١٠) مشكوٰة المصابيح ١/٥١رقم ٢٣٩ (١١)تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق ١٨/٣٨٧ (١٢)نيل الاوطار٦/١١٢ (١٣)تفسير ابن كثير٢/٢٢٤ (١٤)تفسير القرطبى٥/٥٦ (١٥)احكام القرآن لابن العربى ٢/١٨٨

مشکوٰۃ المصابیح کے حاشیہ میں غیر مقلد حاشیہ نگار لکھتے ہیں:

''فریضۂ عادلہ اشارہ ہے اجماع و قیاس کی طرف۔ فریضہ اس کو اس لیے کہا کہ اس پر عمل واجب ہے جیسے کتاب وسنت پر اور عدل کے معنی بھی یہی ہیں (یعنی حجت ہونے میں برابر)۔ اس حدیث کے حاصل معنی یہ ہوئے کہ دین کے اصول چار ہیں: کتاب وسنت، اجماع، قیاس اور جو علم اس کے سوا ہے وہ زائد ہیں۔ (حاشیہ غزنویاں غیر مقلد بر مشکوٰۃ ۱/۶۶) زیادہ تفصیل کے لیے نورالانوار اور دیگر اہل علم کی کتابوں کی طرف رجوع فرمائیں۔

اجتهادی مسائل میں رسول الله کا نقطۂ نظر:

اگر کوئی مسئلہ قرآن وسنت میں واضح نہ ہو تو ایسے مسئلے کا حل اجماع وقیاس سے کیا جاتا ہے اور کوئی مجتہد اجتہاد کرے تو اس کا فیصلہ اگر حق کے مطابق ہو تو ٹھیک اور وہ حق تک نہ پہنچے تو اس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ملاحظہ فرمایئے:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ: اِذَا حَکَمَ الْحَاکِمُ فَاجْتَھَدَ فَاَصَابَ فَلَهٗ اَجْرَانِ وَاِذَا اجْتَھَدَ فَاَخْطَأَفَلَهٗ أَجْرٌ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس وقت کوئی حاکم (مجتہد) غور وفکر کے بعد کوئی حکم دے پھر وہ حکم ٹھیک ہو تو اس کو دو گنا اجر ہے اور جو غور وفکر کرے لیکن فیصلہ صحیح نہ ہو جب بھی اس کو ایک اجر ہے۔

(١)سنن نسائى ٣/٤٦١ رقم٥٩٢٠ (٢) سنن ترمذى ٣/٣٢٤ رقم ٣٥٧٦ (٣)سنن ابن ماجه ٣/٤١١رقم ٢٣١٤ (٤) مسند احمد بن حنبل٤/١٩٨رقم ١٧٨٠٩ (٥)صحيح ابن حبان ١١/٤٤٦رقم٥٠٦٠ (٦)مسند البزار١٥/١٩٢رقم٨٥٧٦ (٧) مسند ابى يعلىٰ ١٠/٣٠٩رقم٥٩٠٣ (٨)السنن الكبرىٰ للبيهقى ١٠/١١٩رقم٢٠٨٦٧ (٩)مستخرج ابى عوانة ٧/٢٨٩ رقم٥١٤٨ (١٠)جامع بيان العلم وفضله ٢/٨٨٣رقم ١٦٦٤ (١١) البدر المنير ٩/٥٢٥ (١٢) تلخيص الحبير٤/٤٤١رقم٢٠٧٢ (١٣)الجامع الصغير١/٤٢رقم ٥٦٥ (١٤) كنزالعمال ٦/٧ رقم ١٤٥٩٣ (١٥)الأم للشافعى٧/٢٧٨

اس روایت سے ثابت ہوا کہ اگر مجتہد خطا بھی کرے تو ثواب کا حق دار ہے نہ کہ لعن طعن کا جیسا کہ غیر مقلدین کا شیوہ ہے بالفرض کسی مسئلے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے خطا واقع ہوئی ہے تو بھی وہ کسی طرح لعن طعن کے حق دار نہیں بلکہ بقول نبی: ثواب کے حق دار ہیں اور امام ابوحنیفہ کے مجتہد ہونے میں تو کسی کو کوئی شک نہیں۔

فقہ حنفی مطعون کرنے کے لیے بعض لوگ غیر مفتیٰ بہ اقوال پیش کر کے عوام الناس کو دھوکہ دیتے ہیں جیسے منکرین حدیث موضوع اور شاذ روایات پیش کر کے حدیث کا انکار کرتے ہیں یا عیسائی شاذ قرأتیں پیش کر کے قرآن کو محرّف ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں لہٰذا مفتیٰ بہ اور غیر مفتیٰ بہ اقوال کو سمجھ لیا جائے تاکہ کوئی گمراہ اپنی گمراہی میں شامل نہ کر سکے۔

مفتیٰ به اور غیر مفتیٰ اقوال اور ان کی پهچان:

جس طرح کتب حدیث میں صحیح وضعیف اور موضوع ہر قسم کی روایات موجود ہیں اسی طرح کتب فقہ میں راجح اور مرجوح ہر قسم کے اقوال موجود ہیں جو کہ مفتیٰ بہ اور غیر مفتیٰ بہ اقوال کہلاتے ہیں لہٰذا جس طرح حدیث صحیح یا جس حدیث پر امت کا عمل ہو مقبول ہے اسی طرح فقہ میں مفتیٰ بہ یا راجح قول مقبول ہے اور غیر مفتیٰ بہ یا مرجوح قول قابل عمل نہیں

(ا) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''قسم اول ظاہر مذہب کے مسائل ہیں (یعنی معروف) جو بہرحال قبول کیے جائیں گے۔ قسم دوم روایات شاذہ جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

سے منقول ہیں۔ اگر وہ اصول مقررہ کے موافق ہوں تو تسلیم کی جائیں گی ورنہ نہیں۔ قسم سوم متاخرین کے وہ اجتہادات ہیں جن پر جمہور علما کا اتفاق ہو چکا ہو ان سے بہر حال فتویٰ دیا جائے گا۔ قسم چہارم متاخرین کے وہ اجتہادات ہیں جن پر علمائے جمہور کا اتفاق نہ ہو اگر وہ مقررہ اصول اور کلام سلف کے موافق ہوں تب تو تسلیم ورنہ نہیں۔ (بحوالہ مبادیات فقہ ص ۴۷)

(۲) ''أَنَّ الْحُكْمَ وَالْإِفْتَاءَ بِالْقَوْلِ الْمَرْجُوحِ جَهْلٌ وَخَرْقٌ لِلْإِجْمَاعِ ''، یعنی مرجوح قول پر فتویٰ دینا جہالت اور اجماع سے بغاوت ہے۔ (البحر الرائق ۱۰/۳۰۹، ردالمحتار ۱/۱۸۵)

(۳) '' وَمَذْهَبُ الْحَنَفِيَّةِ الْمَنْعُ عَنِ الْمَرْجُوحِ حَتّٰی لِنَفْسِهٖ لِكَوْنِ الْمَرْجُوْعِ صَارَ مَنْسُوْخًا.

ترجمہ: احناف کے نزدیک قول مرجوح چوں کہ منسوخ کی مانند ہے اس لیے نہ اس پر فتویٰ دیا جا سکتا ہے اور نہ خود عمل کیا جا سکتا ہے۔ (ردالمحتار ۱/۱۸۷)

(۴) علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جو شخص فتویٰ دینا چاہتا ہے یا خود عمل کرنا چاہتا ہے تو اس کو واجب ہے ''اَنْ یَّتَّبِعَ الْقَوْلَ الَّذِیْ رَجَّحَه' عُلَمَاءُ مَذْهَبِهٖ ''یعنی اس قول کی اتباع کرے جس کو علمائے مذہب نے راجح قرار دیا ہے۔

(شرح عقود رسم المفتی ص ۲۵)

(۵) علامہ ابن تیمیہ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

''ومعرفةُ الراجح شرعاً ما هو معروف ''یعنی راجح قول کی پہچان شرعاً یہ ہے کہ وہ معروف ہو۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۰/۲۲۸)

نیز اتباعِ ائمہ سے انحراف کی اقسام میں چھٹی قسم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''فَيَتَمَسَّكُوْنَ بِالْقَوْلِ الْمَرْجُوْحِ ''، یعنی قولِ مرجوح سے تمسک کرنا اتباعِ ائمہ سے انحراف ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۰/۱۸۵)

(۶) شیخ عبدالرحمٰن المحلاوی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''فتویٰ دینے والے مفتی کے لیے طبقات فقہا کا جاننا ضروری ہے۔ ''لِيَكُوْنَ عَلٰى قُدْرَةٍ كَافِيَةٍ فِي التَّرْجِيْحِ بَيْنَ الْقَوْلَيْنِ الْمُتَعَارِضَيْنِ'' تا کہ اس کو متعارض اقوال کے درمیان ترجیح دینے کی کافی قدرت حاصل ہو جائے۔ (تیسیر الوصول الیٰ علم الاصول، ص ۳۲۵)

مختصر یہ کہ جو قول معروف ہو یا جس پر فتویٰ ہو وہ قول مفتیٰ بہ ہے اور جو قول غیر معروف، مرجوع اور غیر معمول بہا ہو، وہ غیر مفتیٰ بہ قول ہے لہٰذا جو فقہ کا مفتیٰ بہ قول ہو اور معمول بہا ہو تو اس کے خلاف کوئی قرآن وسنت پیش کرے اور اس کو خلاف قرآن وسنت ثابت کرے تو ان شاء اللہ قبول ہے ورنہ منکرین حدیث کی طرح ضعیف اور موضوع حدیثیں دکھا کر حدیثوں کا انکار جس طرح دھوکہ ہے اسی طرح ناقابل عمل قول، مرجوع اقوال، غیر مفتیٰ بہ اقوال فقہ نہیں بلکہ فقہ حنفی معمول بہا اور مفتیٰ بہ اقوال کا نام ہے لہٰذا جو کوئی فقہ حنفی کا قول دکھا کر قرآن وسنت کے خلاف ثابت کرنے کی کوشش کرے پہلے اس کا فرض ہے کہ اس کو مفتیٰ بہ ثابت کرے اور منکرین حدیثوں کے اصولوں سے پرہیز کرے۔ اللہ رب العزت سمجھ عطا فرما کر ہدایت والے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس طریقہ سے جو مسئلہ فقہ حنفی کی کتب سے سامنے آئے وہ فقہ حنفی ہے اس مسئلہ کو کوئی قرآن وحدیث کے خلاف ثابت کرے تو پھر بات ہے۔ کتاب میں کوئی بھی لکھی ہوئی بات کو اٹھا کر شور مچانا جاہلوں کا کام ہے نہ کہ اہل علم کا، اتنی بات اگر سمجھ آ گئی ہے تو اب فقہ حنفی پر غیر مقلدین کے اعتراضات اور ان کے جوابات ملاحظہ فرمائیے۔

غیر مقلدین کے اعتراضات اور ان کے جوابات:

اعتراض نمبر ا: فقہ حنفی کی معتبر کتاب ''ہدایہ اولین صفحہ ۳۳۰''، میں لکھا ہے: ''**مدة الرضاعة ثلاثون شهرا عند ابی حنیفه**''

ترجمہ: رضاعت کی مدت امام ابو حنیفہ کے نزدیک تیس مہینے یعنی اڑھائی سال ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ نے صریح آیات اور واضح احادیث سے اختلاف کیا ہے اس لیے کہ قرآن مجید میں سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۳۳ اور احادیث میں بچہ کے دودھ پلانے کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے۔ حقیقۃ الفقہ میں اسی طرح کا بیان ہے۔ اس میں درمختار، شرح وقایہ، قدوری کا حوالہ دیا گیا ہے۔ (دیکھئے حقیقۃ الفقہ، ص ۲۲ تالیف محمد یوسف جے پوری طبع لاہور)

جواب: (نمبر ا) یہ مسئلہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے کیونکہ سورۃ البقرۃ کی آیت ''وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ '' (آیت ۲۳۳) نص صریح نہیں۔ اس میں یہ الفاظ قابل غور ہیں ''فَاِنْ اَرَادَه' فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا ''یعنی اگر وہ دونوں (ماں باپ) باہمی رضامندی سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔ اس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''**ان يفطماه قبل الحولين و بعده**'' یعنی دو سال سے قبل یا بعد دونوں صورتوں میں دودھ چھڑانے کا اختیار ہے۔ (تفسیر ابن جریر ۲/۳۰۲)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ نص صریح نہیں یا حقیقۃ الفقہ والے مولوی صاحب کو نص صریح کا علم نہیں کہ اس کو نص صریح کہہ رہے ہیں۔ عین الہدایہ ۲/۱۲۵ میں ہے۔ اسی طرح علامہ دمشقی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ اس پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’واتفقوا علی ان التحریم بالرضاع یثبت اذا حصل فی سنتین واختلفو فی مازاد علی الحولین ،فقال ابو حنیفه یثبت الی حولین ونصف وقال زفر ثلاث سنتین وقال مالک والشافعی واحمد الامر سنتان فقط واستحسن مالک ان یحرم بعد بما الی شھر وقال داؤد دور رضاع الکبیر یحرم۔‘‘

یعنی دوسال پر ائمہ کا اتفاق ہے اس سے زائد مدت میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اڑھائی سال، امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک تین سال، امام مالک، امام شافعی، امام احمد کے نزدیک دوسال اور ایک قول امام مالک کا دوسال اور ایک مہینہ ہے۔ امام داؤد ظاہری کے نزدیک تمام عمر مدت رضاعت ہے۔ (رحمہ الامہ فی اختلاف الائمہ ص ۳۱۷)

سید امیر علی لکھتے ہیں: ’’مالکیہ کے نزدیک دوسال کے بعد بھی ایک ماہ تک رضاعت ثابت ہے حتیٰ کہ بعض کے نزدیک تمام عمر مدت رضاعت ہے۔ (عین الہدایہ ۲/۱۲۴)

لہٰذا ان تمام دلائل سے یہ بات واضح ہے کہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۳۳ اس مسئلہ میں صریح نہیں تبھی تو مجتہدین اس میں اجتہاد فرمارہے ہیں اور اجتہادی مسئلہ میں خطا واقع ہونا ایک واضح مسئلہ ہے اور اجتہادی خطا میں مجتہد مطعون نہیں جیسا کہ شروع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ اجتہادی خطا میں نقل کر چکا ہوں۔ مجتہد کو ثواب ہے عذاب نہیں اگر پھر بھی کوئی مجتہد کو مطعون کرتا ہے تو اس کے منکر حدیث ہونے میں کوئی شک نہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مجتہد ہونے میں تو کسی کو شک نہیں۔

(نمبر۲) دودھ چھڑانے کے حوالے سے ایک آیت اور بھی ہے:

’’وحملہ وفصالہ ثلثون شھرا‘‘ (سورۃ احقاف آیت ۱۵)

اس کے بارے میں مختلف تفاسیر ہیں۔ ان میں ایک تفسیر یہ ہے:

’’مدت حمل کے زیادہ سے زیادہ ہونے میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نزدیک دوسال، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک چار سال، پانچ سال اور سات سال تک کی روایات ہیں۔ امام شافعی کے نزدیک چار سال، امام احمد کے نزدیک ایک قول میں چار سال، اور دوسرے قول کے مطابق دوسال ہے۔ (تفسیر مظہری ۸/۴۰۴)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ملاحظہ فرمائیے:

’’اذا حملت تسعۃ اشھر ارضعت احدی وعشرین شھرا وان حملت سبعۃ اشھرا رضعت ثلاثہ وعشرین شھرا وان حملت ستۃ اشھرا رضعت اربعۃ وعشرین شھرا‘‘

ترجمہ: یعنی اگر حمل نو ماہ کا ہے تو رضاعت اکیس ماہ کی، حمل اگر سات ماہ کا ہے تو رضاعت تیئیس ماہ اور اگر حمل چھ ماہ کا ہے تو رضاعت دوسال ہوگی۔ (تفسیر ابن جریر ۲/۳۰۲۔ تفسیر قرطبی ۱۶/۱۹۳۔ تفسیر خازن ۴/۱۲۵۔ تفسیر مظہری ۸/۴۰۸۔ تفسیر ابن کثیر ۴/۲۴۱)

لہٰذا غور فرمائیں کہ عموماً حمل جو معروف ہے وہ نو ماہ کا ہے۔ اس صورت میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۳۳ کا تقاضہ پورا نہیں ہوتا اور اگر امام شافعی و امام احمد کے مسلک کے مطابق مدت حمل تیس ماہ سے تجاوز کر جائے تو مدت رضاعت تو بالکل ختم ہو جائے گی، معلوم ہوا کہ یہ ایک اجتہادی معاملہ ہے۔

(نمبر۳) صاحب ہدایہ نے دو قسم کی عورتوں کا ذکر فرمایا: پہلی وہ عورت جو خاوند کے نکاح میں ہے اور بلا اجرت دودھ پلاتی ہے۔ اس کی مدت اڑھائی سال ہے اور دلیل آیت ’’ثلاثون شھرا‘‘ ہے۔ دوسری عورت جو مطلقہ ہے، چونکہ وہ بچہ کو دودھ پلانے کی مکلّف نہیں لہٰذا اس کی اجرت شریعت نے مقرر کر دی۔ اس صورت میں اگر بچہ صحت مند ہے تو دوسال سے پہلے دودھ چھڑایا جا سکتا ہے جیسا کہ سورۃ البقرۃ آیت ۲۳۳ میں ہے۔ اور اگر وہ ابھی صحت مند نہیں اس کو دودھ کی ضرورت ہے تو اس کو دوسال سے زیادہ دودھ پلانے کی اجازت ہے جیسا کہ تفسیر ابن جریر ۲/۳۰۲ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اور مالکیہ کے نزدیک بھی دوبرس کے بعد ایک ماہ تک مدت رضاعت ہے۔ (عین الہدایہ ۲/۱۲۴)

یہاں تک تو بحث تھی کہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہاد کے قرائن موجود ہیں اور باقی رہا مسئلہ اس اجتہادی اختلاف میں مفتیٰ بہ قول کا تو وہ یہ ہے۔

مدت رضاعت میں فقہ حنفی کا مفتیٰ بہ قول:

مدت رضاعت میں مفتیٰ بہ قول، قول صاحبین (امام ابویوسف و امام محمد) کا ہے۔ چنانچہ ’’ردالمحتار کتاب الرضاع اور فتح القدیر کتاب الرضاع‘‘ میں صراحت موجود ہے کہ صاحبین کا قول زیادہ صحیح ہے اور ان کا قول مدتِ رضاعت دوسال کا ہے اسی طرح ملا جیون فرماتے ہیں: ’’رضاعت کی مدت زیادہ سے زیادہ دوسال ہے۔ (تفسیرات احمدیہ اردو ص ۱۷۳)

امام اعظم ابو حنیفہ کا اپنے قول سے رجوع:

بعض حضرات کے نزدیک امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے اس قول سے رجوع ثابت ہے جیسا کہ علامہ حافظ ابن قیم لکھتے ہیں:

’’عن ابی حنیفۃ روایۃ اخری، کقول ابی یوسف ومحمد‘‘ ترجمہ: امام ابوحنیفہ سے آخری روایت قول امام ابی یوسف

وامام محمد رحمہ اللہ علیہما (دوسال) جیسی ہے۔ (زاد المعاد ۵/۵۷۸ طبع بیروت)

ذرا اپنے گھر کی خبر بھی دیکھیے:

ہم پر تو قرآن وسنت کے خلاف مسئلہ پر عمل کرنے کا الزام تھا اس کا جواب ملاحظہ فرمایا اب ذرا ان غیر مقلدین کے اپنے گھر کا معاملہ دیکھئے جو سراسر قرآن وسنت کے خلاف ہے ان کے مذہب ومسلک کے ترجمان قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

''یجوزا رضاع الکبیر ولو کان ذا لحیۃ لتجویز النظر'' یعنی پردہ سے بچنے کے لیے داڑھی والے آدمی کے لیے بھی جائز ہے اس سے حرمت رضاعت ظاہر ہوجائے گی۔'' (الدرر البہیہ ص۳۴)

ان کے ایک اور مجتہد ومحقق کا فتویٰ ملاحظہ ہو، نواب نور الحسن خاں لکھتے ہیں: ''گویا ارضاع رضاع الکبیر بنا بر تجویز نظر جائز است،، یعنی بڑی عمر والا بھی پردہ سے بچنے کے لیے دودھ پی سکتا ہے اور رضاعت ثابت ہوگی۔ (عرف الجادی ص۱۳۰)

ان کے ایک اور مستند مولوی اور فقہ حنفی سے خصوصی بغض رکھنے والے محمد جونا گڑھی لکھتے ہیں: ''سلف کی ایک جماعت کا یہی (یعنی داڑھی والا دودھ پی سکتا ہے) فتویٰ ہے۔ (فتاویٰ نبوی ص۶۰)

نیز لکھتے ہیں: ''کیا عجب یہی مسلک سب سے زیادہ قوی ہو اور ہمارے شیخ بھی اسی طرف مائل ہیں۔ (فتاویٰ نبوی ص۶۱)

اب ذرا دیکھئے کیا کسی غیر مقلد نے ان فتاویٰ کے خلاف بھی شور مچایا ہے فقہ حنفی کے ایک غیر مفتیٰ بہ قول کو لے کر کم علم لوگوں کو بیوقوف بنانے کا حربہ کرنا کون سی دینی خدمت ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ:

حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی سننے اور ماننے پر، آسانی اور دشواری، خوشی اور رنج ہر ایک حالت میں اور'' وَأَنْ لَا نُنَازِعَ الْاَمْرَ أَهْلَهُ ''، یعنی ہم کسی امر کے اہل سے جھگڑا نہیں کریں گے۔ (سنن نسائی ۳/۱۹۳ کتاب البیعۃ رقم الحدیث ۴۱۵۶ مترجم مطبوعہ مکتبۃ العلم لاہور)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اصول کو ساری دنیا نے قبول کیا ہے اس لیے ساری دنیا کا اتفاق ہے کہ جسٹس سے اختلاف رائے کا حق جسٹس کو ہے کسی ملزم کو نہیں ڈاکٹر سے اختلاف رائے کا حق کسی ڈکٹر کو ہے مریض کو نہیں، محدّث سے اختلاف رائے کا حق محدّث کو ہے حدیث کی کسی کتاب کی اردو پڑھنے والے کو نہیں کیونکہ وہ نا اہل ہے، اسی طرح مجتہد سے اختلاف رائے کا حق کسی مجتہد کو تو ہے لیکن کسی حکیم یا دکاندار کو نہیں۔ غور فرمائیں غیر مقلدین کی اکثریت اسی وبا میں مبتلا ہے خود مجتہد نہ ہوتے ہوئے مجتہد اعظم سے جھگڑ رہے ہیں اختلاف کررہے ہیں یعنی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کررہے ہیں ورنہ کسی بھی غیر مقلد کو لوگوں کے سامنے بٹھالیں اور اس کو کسی ڈاکٹر کے پانچ نسخے اور ڈاکٹری کی کتاب، کسی جسٹس کے پانچ فیصلے اور قانون کی کتاب کسی انجینئر کے پانچ نقشے اور اس فن کی کتاب دے دیں تو وہ جو ڈاکٹر کی غلطیاں نکالے اس کو ڈاکٹروں کے بیچ میں، جسٹس کی غلطیوں کو جسٹس صاحبان کے بیچ میں، انجینئروں کے نقشوں کی غلطیاں انجینئروں کے بیچ میں، تو یقیناً وہ اس غیر مقلد کو پورا بورڈ پاگل خانے داخل کروانے کی سفارش کرے گا آزمائش شرط ہے۔ اللہ رب العزت سمجھ عطا فرما کر راہ حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

کوئی بھی غیر مقلد جب قرآن وحدیث اور فقہ میں مخالفت ثابت کرنے کی کوشش کرے تو تین باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

۱۔ قرآن وحدیث کا پورا علم ہو یعنی جاہل کیا ثبوت دے گا اور تمام آیات واحادیث کو پیش نظر رکھ دلیل دے کوئی آیت یا حدیث اس کے معارض نہ ہو۔

۲۔ فقہ کے مسئلہ کو پورا اور صحیح سمجھا ہو ادھورا مسئلہ بیان کرکے یا کم علمی کی وجہ سے دوسروں کو بیوقوف نہ بناتا ہو۔

۳۔ فقہاء نے جو اس کی دلیل بیان کی ہو تو اس کا جواب دے اور وہ کوئی بات صریح آیت یا صریح حدیث کے علاوہ نہ کرے۔

نبی کریم کا اجتھادی معاملہ میں فیصلہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کی ایک جماعت کو بنوقریظہ کی طرف بھیجا اور بڑی تاکید سے فرمایا: ''لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْعَصْرَ إِلَّا فِيْ بَنِيْ قُرَيْظَه'' یعنی کوئی شخص عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنوقریظہ میں۔ (صحیح بخاری ۲/۵۹۱، صحیح مسلم ۴/۴۸۷، ابن ماجہ ۲۸۶۶، مسند احمد ۲۷۷۲۷، صحیح ابن حبان ۴۵۴۷، سنن الکبریٰ بیہقی ۱۶۹۹۲، مستخرج ابی عوانہ ۵۷۲۸، مصنف ابن ابی شیبہ ۳۸۴۱۲، موطا امام مالک ۱۶۲۰)

یہ حدیث خود صحابہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی جوان کے حق میں قطعی الثبوت بھی تھی اور قطعی الدلالت بھی، مگر جب راستہ میں عصر کی نماز کا وقت آ گیا بعض صحابہ نے راستے میں نماز پڑھی اور بعض نے بنو قریظہ میں، جب واپسی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی پر کوئی اعتراض نہ کیا اس اجتہادی اختلاف پر نہ تو حضور نے یہ فرمایا کہ میرے صحابہ میں کچھ قرآن کے خلاف کام کرنے والے ہیں اور کچھ صحیح صریح حدیث کے خلاف۔ اگر کسی کو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم سے مخالفت کا شوق ہے تو بے شک اجتہادی مسائل کو قرآن وحدیث کے خلاف کہتا رہے۔

سؤر کی کھال کا مسئلہ:

اعتراض نمبر۲: حنفیوں کی کتاب منیہ ص ۷۴ میں لکھا ہے کہ سوٴر کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے۔ دیکھئے حقیقۃ الفقہ ص۲۰۳ میں، جب کہ سوٴر نجس العین ہے لہٰذا قرآن کے خلاف ہے۔

جواب: فقہ حنفی کا مفتیٰ بہ اور ظاہر الروایت یہی ہے کہ خنزیر اور اس کے تمام اجزا نجس العین ہیں دیکھئے منیۃ المصلی ص ۶۶ میں، خنزیر کے تمام اجزا پیشاب اور پاخانے کی طرح ناپاک ہیں۔ (منیۃ المصلی ص ۶۴) اصحاب ثلاثہ (امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد) سے ظاہر روایت یہی ہے کہ سوٴر نجس العین ہے اس کی کھال دباغت سے پاک نہیں ہوتی (منیۃ المصلی ۶۴) یہی مذہب حنفی ہے یہی قول معمول بہا ہے جس عبارت کا حوالہ ''حقیقۃ الفقہ،، والے نے دیا ہے وہ عبارت مع شرح ''منیۃ،، یہ ہے:

''وذكر فی نوادر ابی الوفاقال یعقوب یعنی ابا یوسف لو صلی فی جلد خنزیر مدبوغ جاز وقداساء بناء علی انه یطهر بالدباغ عنده فی غیر ظاهر الروایة وقد تقدم وقال ابو حنیفه ومحمد لا تجوز الصلاة فیه ولا یطهر بالدباغة وقد مر ان هذا هو ظاهر الروایة عن ابی یوسف ایضًا،

برمنیۃ المصلی ص ۶۴ حاشیہ ۷، کبیری ص ۱۹۵ متن منیۃ المصلی ص ۹۰، حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی میں بھی اس روایت کو شاذہ کہا ہے۔

اس میں واضح ہے کہ اس قول کو غیر ظاہر الروایۃ کہا ہے اور پھر ظاہر الروایت جو مفتیٰ بہ قول ہے جس پر عمل ہے امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا قول کہ، دباغت سے سوٴر کا چمڑا پاک نہیں ہوتا، اس کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا اور ایک غیر مفتیٰ بہ قول پیش کر کے دھوکہ دیا۔ حالانکہ علامہ عبدالرحمٰن الدمشقی فرماتے ہیں ''جلود المیة کلها تطهر بالدباغ الا جلد الخنزیر عند ابی حنیفه ''امام ابوحنیفہ کے نزدیک خنزیر کے علاوہ ہر مردار کا چمڑا دباغت سے پاک ہو جاتا ہے۔ (رحمۃ الامۃ ص ۹)

اسی طرح صحیح روایت میں ہے: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ایما اهاب دبغ فقد طهر،، جس چمڑا کو بھی دباغت دی جائے وہ پاک ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم ۱/۱۹۱ رقم ۸۳۸، ترمذی رقم ۱۷۲۸، نسائی رقم ۴۲۵۷، سنن دار قطنی رقم ۱۲۴، صحیح ابن حبان رقم ۱۲۸۷، مسند احمد ۱۸۹۵، مسند حمیدی رقم ۵۱۴، مسند شافعی رقم ۱۹، سنن ابن ماجہ رقم ۳۶۰۹، مستخرج ابی عوانہ رقم ۵۶۱)

غیر مقلدین کے معروف بزرگ مولانا شمس الحق عظیم آبادی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''ولحدیث دلیل لمن قال ان الدباغ مطهر لجلد میتة کل حیوان کما یفید لفظ عموم کلمة ''أیما،، وکذالک لفظ ''الاهاب،، یشمل بعمومه جلد المأکول اللحم وغیره''

ترجمہ: یہ حدیث اس شخص کی دلیل ہے جو یہ کہتا ہے کہ دباغت ہر مردہ حیوان کے چمڑا کو پاک کرنے والی ہے جیسے ایماء کا عموم اس کا فائدہ دیتا ہے اسی طرح لفظ ''اہاب،، اپنے عموم کے لحاظ سے حلال اور حرام ہر چمڑا کو شامل ہے۔'' (عون المعبود ۱۱۴۳/۹ مطبوعہ مدینۃ المنورہ) حقیقۃ الفقہ والا مولانا بھی عجیب آدمی ہے کہ اسی صفحہ ۲۰۳ پر ''درمختار ۱/۱۰۴،، کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتا ہے ''سوٴر کے کھال کے سوا ہر جانور کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے۔

غیر مقلدین کے گھر کا مسئلہ:

غیر مقلدین کے محقق اور محدث، علامہ وحید الزماں لکھتے ہیں:

''ایما اهاب دبغ فقد طهر مثله المثانة والکرش واستثنیٰ بعض اصحابنا جلد الخنزیر والآدمی والصحیح عدم الاستثناء۔''

ترجمہ: جس چمڑے کو دباغت دی جائے پاک ہو جاتا ہے مثانہ اور اوجھڑی میں اسی طرح ہے ہمارے بعض اصحاب نے خنزیر اور آدمی کو مستثنیٰ کیا ہے حالانکہ یہ بھی مستثنیٰ نہیں۔ (نزل الابرار ۱/۲۹ مطبوعہ بنارس)

اعتراض نمبر۳: صاحب ھدایہ لکھتے ہیں: ''اگر شراب خود بخود سرکہ بن جائے یا اس میں کوئی چیز ملا کر اسے سرکہ بنا لیا تو کراہت نہیں۔'' دیکھئے 'کیا فقہ حنفی قرآن وحدیث کا نچوڑ ہے' ص ۴۴، حقیقۃ الفقہ ص ۲۰۲۔

جواب: یہ مسئلہ احادیث کے عین مطابق ہے شراب سے سرکہ بنا لینے کی اجازت درج ذیل روایات سے ثابت ہے

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

''خَیْرُ خَلِّکُمْ خَلُّ خَمْرِکُمْ،، ترجمہ۔ تمہارے سرکوں میں بہترین شراب کا سرکہ ہے۔ (۱) معرفة السنن والآثار بیهقی ۲۲۶/۸ رقم ۱۱۷۲۳ (۲) نصب الرایة ٤/۳۱۱ (۳) المقاصد الحسنة للسخاوی ۱/۳۳۳ رقم ٤٥٦

(۲) عَبْدُالرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ قَالَ حَدَّثَتْنِي امْرَأَةٌ يُقَالُ أُمُّ حِرَاشٍ أَنَّهَا رَأَتْ عَلِيًّا يَصْطَبِغُ بِخَلِّ خَمْرٍ.

ترجمہ: ام حراش کہتی ہیں کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شراب سے بنے ہوئے سرکے سے بنے ہوئے کو بطور سالن استعمال کرتے ہوئے دیکھا۔ (۱) مصنف عبدالرزاق ۲۵۲/۹ رقم ۱۷۱۰۷ (۲)

سنن الکبری بیہقی ۳۸/۶ رقم ۱۱۵۳۵ (۳) النہایۃ غریب الأثر ۷۲۳/۴ (۴) کنز العمال ۴۵۳/۵ رقم ۴۱۷۹۸

(۳) عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدُ الْعَزِيزِ التَّنُوْخِيِّ عَنْ عَطِيَّةَ بْنِ قَيْسٍ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ أَبِيْ الدَّرْدَاءِ وَرَجُلٌ يَتَغَدَّى فَدَعَاهُ إِلَى طَعَامِهِ فَقَالَ: وَمَا طَعَامُكَ؟ قَالَ خُبْزٌ، وَمُرِيٌّ وَزَيْتٌ، قَالَ: الْمُرِيُّ الَّذِي يُصْنَعُ مِنَ الْخَمْرِ قَالَ: نَعَمْ قَالَ: هُوَ خَمْرٌ فَتَوَاعَدَا إِلَى أَبِي الدَّرْدَاءِ فَسَأَلَاهُ، فَقَالَ: ذَبَحَتْ خَمْرَهَا الشَّمْسُ، وَالْمِلْحُ وَالْحِيتَانُ، يَقُوْلُ: لَا بَأْسَ بِهِ.

ترجمہ: عطیہ بن قیس فرماتے ہیں کہ حضرت ابوالدردا کے اصحاب میں ایک آدمی کے پاس سے گزرا جو کھانا کھا رہا تھا اس نے اسے کھانے کی دعوت دی اس نے پوچھا کیا کھانا ہے؟ اس نے کہا روٹی اور مری اور تیل اس نے پوچھا وہ مری جو شراب سے بنائی جاتی ہے؟ اس نے کہا ہاں، یہ شراب ہی ہے۔ پھر دونوں ابوالدرداء کے پاس گئے اور ان سے (اس کے متعلق) دریافت کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ اس کے نشے کو دھوپ اور نمک اور مچھلی کی آمیزش نے ختم کر دیا ہے۔ فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں۔ (۱) مصنف عبدالرزاق ۲۵۲/۹ رقم ۱۷۱۰۹ (۲) فتح الباری شرح بخاری ۶۱۷/۹

(۴) حَدَّثَنَا أَزْهَرُ، عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، قَالَ مُحَمَّدٌ: لَا يَقُوْلُ خَلُّ خَمْرٍ وَيَقُوْلُ خَلُّ الْعِنَبِ، وَكَانَ يَصْطَبِغُ فِيهِ. ترجمہ: ابن عون کہتے ہیں کہ محمد بن سیرین "شراب کا سرکہ" کی بجائے "انگور کا سرکہ" کہتے تھے اور اس کو سالن کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۳/۸ رقم ۲۴۵۷۱۔ کتاب الاموال لابی عبید ص ۱۳۹ رقم ۲۵۲)

(۵) حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نَافِعٍ، عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّهُ كَانَ لَا يَرَى بَأْسًا أَنْ يَأْكُلَ مِمَّا كَانَ خَمْرًا فَصَارَ خَلًّا. ترجمہ: حضرت نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ شراب سے بنے ہوئے سرکے کے کھانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۳/۸ رقم ۲۴۵۷۰ تحقیق محمد بن عوامہ۔ التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید ۲۶۱/۱)

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت سعید بن جبیر، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ عنہما سے بھی ایسا ہی مروی ہے: دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ تحقیق محمد عوامہ ۱۳/۸ رقم ۲۴۵۷۳، ۲۴۵۷۴، ۲۴۵۷۵۔ لہٰذا یہ اعتراض صرف تعصب کی بنا پر ہے اور ایک بہتان ہے۔

اعتراض نمبر ۴: فقہ حنفی میں ہے کہ نماز میں "پچھلی دونوں میں اگر کچھ بھی نہ پڑھے تو درست ہے۔" (حقیقۃ الفقہ ص ۲۰۹)

اس کے حاشیے میں لکھتے ہیں: "بالکل خلاف ہے" بخاری مطبوعہ احمدی میرٹھ ص ۱۰۷۔ اسی طرح طالب الرحمٰن غیر مقلد نے بھی یہی اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث کے خلاف ہے دیکھئے "کیا فقہ حنفیہ قرآن و حدیث کا نچوڑ ہے؟" ص ۳۷، ۳۸ لکھتے ہیں: "اب لیجیے احناف، منفرد کے لیے بھی رعایت دیتے ہیں قرأت فرض نمازوں میں دو رکعتوں میں واجب ہے دوسری رکعتوں میں نمازی کو اختیار ہے چاہے تو خاموش رہے چاہے تو قرأت کرے اور چاہے تو تسبیح کہہ لے۔"

جواب: فقہ حنفی میں ہے کہ آخری دو رکعتوں میں فاتحہ پڑھنا سنت ہے جیسا کہ نورالایضاح ص ۷۱ مطبوعہ قادریہ لاہور اور طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۴۷ میں ہے۔ ہدایہ کی اس عبارت کی شرح میں سید امیر علی "عین الہدایہ ۷۰۸/۱ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور" میں لکھتے ہیں: "مگر افضل یہ ہے کہ اخیرین میں پڑھے کیونکہ حضرت نے اس پر مداومت کی ہے ف۔ یعنی کبھی ترک کے ساتھ تو واجب نہیں۔ مترجم کے نزدیک قرأت سے سورۃ فاتحہ پڑھ لینا صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ دیا جائے **وَاللّٰہ تعالیٰ اعلم**۔

باقی رہ گیا وہ قول جو ہدایہ کا نقل ہوا اس کی دلیل حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت سعد کے اقوال ہیں:

(۱) حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَلِيٍّ وَ عَبْدُ اللّٰهِ، أَنَّهُمَا قَالَا اقْرَأْ فِي الْأُولَيَيْنِ وَ سَبِّحْ فِي الْأُخْرَيَيْنِ

ترجمہ: ابواسحاق بیان فرماتے ہیں کہ حضرت علی و عبداللہ ابن مسعود سے مروی ہی کہ: (نماز کی) پہلی دو رکعتوں میں قرأت کرو اور آخری دو رکعتوں میں تسبیح پڑھو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۷۲/۱ رقم ۳۷۶۳)

اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ ۳۷۲/۱ میں ایک پورا باب ہے "مَنْ كَانَ يَقُوْلُ: سَبِّحْ فِي الْأُخْرَيَيْنِ وَلَا يَقْرَأْ"، جس میں حدیث نمبر ۳۷۶۳ سے لے کر ۳۷۶۸ تک حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت ابراہیم نخعی، حضرت اسود رحمہ اللہ وغیرہ سے روایات منقول ہیں۔

اسی طرح مصنف عبدالرزاق ۱۰۰/۲ رقم ۲۶۵۷، ۲۶۵۸، ۲۶۵۹ میں اسی قسم کی روایات منقول ہیں۔

(۲) حضرت جابر بن سمرہ بیان کرتے ہیں کہ: حضرت عمر نے حضرت سعد سے فرمایا اہل کوفہ نے آپ کی ہر چیز میں شکایت کی حتیٰ کہ نمازوں میں بھی۔ حضرت سعد نے کہا: "فَأَمُدُّ فِي الْأُوْلَيَيْنِ، وَأَحْذِفُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ" میں پہلی دو رکعتوں میں زیادہ قرآن پڑھتا ہوں اور آخری دو رکعتوں میں قرآن نہیں پڑھتا ہوں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

جس چیز کی اقتدا کی ہے اس کو میں ترک نہیں کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ نے سچ کہا اور آپ کے ساتھ یہی گمان تھا۔ (١) صحیح بخاری ١/١٩٥ رقم ٧٧٠ باب یطول فی الاولیین ویحدق فی الأخریین (٢) صحیح مسلم ٢/٣٨ رقم ١٠٤٤ (٣) سنن ابی داؤد ١/٢٩٥ رقم ٨٠٣ (٤) سنن نسائی ٢/١٧٤ رقم ١٠٠٢ (٥) مسند احمد بن حنبل ١/١٧٦ رقم ١٥١٨ (٦) صحیح ابن ابی حبان ٥/١٦٨ رقم ١٨٥٩ (٧) مسند البزار ٣/٢٨٣ رقم ١٠٦٢ (٨) مسند الطیالسی ١/١٧٥ رقم ٢١٣ (٩) مسند ابی یعلیٰ ٢/٥٣ رقم ٦٩٢ (١٠) مسند ابی الجعد ١/١٠٠ رقم ٥٩٣۔

اسی طرح عبداللہ بن مسعود سے بھی روایات موطا امام محمد ص ۹۷، ۹۸، کتاب الآثار لابی یوسف ص ۱۱۰ میں موجود ہیں۔

اعتراض نمبر ۵: جس عورت کو اجارہ پر لیا ہو (خرچی دے کر) زنا کرے تو حد نہیں۔ (حقیقۃ الفقہ ص ۲۲۲)

جواب: اس اعتراض کو غیر مقلدین نے حقیقۃ الفقہ میں لکھا اس کے علاوہ کئی کتابوں میں یہ اعتراض کر کے فقہ حنفی کو قرآن وسنت کے خلاف ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ دراصل یہ ان کی جہالت ہے کیونکہ ان کو فقہ نہیں آتی اس لیے کہ "**من یرد اللّٰہ بہ خیرا یفقھہ فی الدّین**"، اللہ جس پر کرم کرتا ہے اس کو دین کا فقیہ بنا دیتا ہے۔ (صحیح بخاری ۱/۲۷، صحیح مسلم ۳/۹۴ رقم ۲۴۳۶، مسند احمد بن حنبل ۱/۳۰۶ رقم ۲۷۹۱، صحیح ابن حبان ۱/۲۹۱ رقم ۸۹، سنن ترمذی رقم ۲۶۴۵، سنن الدارمی رقم ۲۲۵، مسند البزار رقم ۱۸۷۷، مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۱۶۹۲)

اسلام میں جو کام گناہ کبیرہ ہیں ان پر شرعی سزا دی جاتی ہے اس سزا کی دو قسمیں ہیں: (۱) حد (۲) تعزیر: حد وہ سزا ہے جو نص قطعی یا اجماع قطعی سے مقرر ہو اس میں کمی بیشی کا اختیار اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو نہیں، یہ حدود قیاس واجتہاد سے ثابت نہیں ہوتیں اور بنص حدیث شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ دوسری قسم سزا تعزیر ہے جو ہر اس گناہ پر لگائی جاتی ہے جس میں شرعی حد ثابت نہ ہو یا شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہو جائے چنانچہ "ہدایہ ۲/۱۰۲"، میں ہے "**أنّہ ارتکب جریمۃ ولیس فیھا حد مقرر فیعزر**"، بے شک جس شخص نے ایسے گناہ کا ارتکاب کیا جس میں حد مقرر نہیں تو تعزیر لگائی جائے گی۔ تعزیر کی سزا قید سے بھی دی جا سکتی ہے، کوڑوں سے بھی اور قتل سے بھی جیسا کہ "**الدرالمختار ۴/۶۲**"، میں ہے: "**ویکون التعزیر بالقتل**" لہٰذا حد نہ ہونے کا مطلب یہ لینا کہ کوئی گناہ نہیں یا کوئی سزا نہیں یہ صرف دھوکہ ہے یا ان کی جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں:

یہ بات صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں چنانچہ ملاحظہ فرمائیے:

"**عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِدْرَؤُا الْحُدُوْدَ عَنِ الْمُسْلِمِیْنَ مَا اسْتَطَعْتُمْ، فَاِنْ کَانَ لَہٗ مَخْرَجٌ فَخَلُّوْا سَبِیْلَہٗ، فَاِنَّ الْاِمَامَ اَنْ یُخْطِیَ فِی الْعَفْوِ خَیْرٌ مِنْ اَنْ یُخْطِیَ فِی الْعُقُوْبَۃِ۔**"

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود کو دور کرو اگر اس کے لیے کوئی راستہ ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دو، امام کا غلطی سے معاف کر دینا، غلطی سے سزا دینے سے بہتر ہے۔ (١) سنن ترمذی ٣/٨٥ رقم ١٤٢٤ (٢) سنن الدار قطنی ٧/٤٠٦ رقم ٣١٤١ (٣) شرح السنہ للبغوی ١٠/٣٣٠ (٤) مصنف ابن ابی شیبۃ ٩/٥٦٩ رقم ٢٩٠٩٤ (٥) معرفۃ السنن والآثار للبیھقی ٦/٣٥٨ (٦) سنن الکبریٰ للبیھقی ٨/٤١٣ رقم ١٧٠٥٧ (٧) الاستذکار ٩/١١ (٨) شرح مسند ابی حنیفۃ للملا علی قاری ١/١٨٦ (٩) بستان الاخبار مختصر نیل الاوطار ٥/٩٦ (١٠) عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ٢٠/٢٥٩ (١١) البدر المنیر ٨/٦١٢ (١٢) المسند الجامع ٥٠/٣٩٢ (١٣) التلخیص الحبیر ٢/١٦٠ رقم ١٧٥٤ (١٤) نصب الرایۃ ٣/٣٠٩ (١٥) المقاصد الحسنۃ ١/٧٥ (١٦) الدرایۃ ٢/٩٤ رقم ٦٤٠ (١٧) بلوغ المرام ١/٤٨٦ رقم ١٢٢٠ (١٨) کنز العمال ٥/٣٠٩ رقم ١٢٩٧١۔

٭اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے ملاحظہ فرمائیے درج ذیل کتب:

(١) جامع المسانید ٢/٢١٤ (٢) کنز العمال ٣/٧٣٥ رقم ٨٦١٠ (٣) جامع الاحادیث ٢٥/٣٤٢ (٤) التبویب الموضوعی للأحادیث ١/٩٦٦٩ (٥) سنن الکبریٰ للبیھقی ٨/٤١٤ رقم ١٧٠٦١ (٦) معرفۃ السنن والآثار ١٣/٣٠٨ رقم ١٨٢٨٥۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے: (بلوغ المرام: ١/٤٨٦ رقم ١٢٢١)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ (١) الفتح الکبیر: ١/٥٨ (٢) سنن الکبریٰ للبیھقی: ٨/٢٣٨ رقم ١٦٨٣٩ (٣) الدرر

المنتثرة: ١ /٦٦ حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی طرح مروی ہے: (مصنف عبد الرزاق: ١٠ /١٦٦رقم ١٨٦٩٨)

معلوم ہوا کہ شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کو کوئی سزا بھی نہیں بلکہ اس پر تعزیر ہے اس زیر بحث مسئلہ میں بھی شرعی طور پر کوئی حد مقرر نہیں لہٰذا اس پر تعزیر ہے اگر کوئی اس بات کا مدعی ہے کہ اس مسئلہ میں حد مقرر ہے تو دلیل پیش کرے ورنہ اس کو کوئی اعتراض کا حق نہیں۔

اعتراض نمبر ٦: طالب الرحمٰن غیر مقلد لکھتا ہے:''زبردستی کی طلاق یا نکاح اسلام میں جائز نہیں ایک حدیث امام بخاری نے نقل کی انظر رقم ٥١٣٨

اب احناف کی بھی سن لیجیے فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص کسی عورت پر یہ دعویٰ کرے کہ یہ میری بیوی ہے اور وہ عورت انکار کرے۔ پھر یہ شخص جھوٹے گواہ پیش کر کے اپنے حق میں فیصلہ لے لے تو ایسی صورت میں اس کے لیے اس عورت سے جماع جائز ہوگا اور اس عورت کا اپنے آپ کو اس کے قابو میں کر دینا جائز ہوگا۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ جائز ہے اور ابو یوسف کے ایک قول کے مطابق بھی جائز ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ٣٥٠،٣٣، ٣٥١)

بحوالہ کیا فقہ حنفیہ قرآن وحدیث کا نچوڑ ہے؟ صفحہ ٣٦، ٣٧)

جواب: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب حق ہے اور غیر مقلد حق سے دور ہے اس کے دلائل ملاحظہ فرمایئے:

(١) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَ هَزْلُهُنَّ جِدٌّ: اَلنِّكَاحُ وَ الطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ. ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین چیزیں ہیں جن کا سچ تو سچ ہے جھوٹ بھی سچ ہے: نکاح، طلاق اور رجعت۔

(١) جامع ترمذی: ٥ /٤٩رقم ١٢٢١ (٢) سنن ابو داؤد: ٢ /٢٢٥رقم ٢١٩٦ (٣) سنن ابن ماجه : ٣ /١٩٧رقم ٢٠٣٩ (٤) سنن الدارقطني: ٤ /٣٧٩رقم ٣٦٣٥، ٣٦٣٦، ٣٦٣٧، ٣٦٣٨ (٥) سنن الكبرىٰ للبيهقي: ٧ /٣٤٠رقم ١٥٣٨٨ (٦) معرفة السنن والآثار للبيهقي: ١١ /٤٣، ٤٤رقم ٤٦٦٨ (٧) المستدرك للحاكم: ٢ /٢١٦رقم ٢٨٠٠ (٨) سنن سعيد بن منصور: ١ /٣٦٩رقم ١٦٠٣ (٩) المنتقى من السنن المسندة لابن الجارود: ١/١٧٨رقم ٧١٢ (١٠) شرح معاني الآثار للطحاوي: ٣ / ٩٨رقم ٤٦٥٤ (١١) جامع المسانيد للخوارزمي: ٢ /٨٢ (١٢) شرح السنة للبغوي: ٩/ ٢١٩رقم ٢٣٥٦

جبری طلاق اور فیصلۂ نبوی:

(١) حضرت صفوان بن عمران بیان کرتے ہیں ایک شخص سو رہا تھا تو اس کی بیوی اٹھی اور ہاتھ میں چھری لے کر اس کے سینے پر بیٹھ گئی کہنے لگی مجھے تین طلاقیں دے ورنہ میں تجھے ذبح کر دوں گی تو اس شخص نے تین طلاقیں دے دیں پھر اس نے نبی کی بارگاہ میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا[لَا قَیْلُوْلَةَ فِی الطَّلَاقِ] طلاق میں قیلولہ نہیں ہے۔

(١) سنن سعيد بن منصور: ١ / ٢٧٥رقم ١١٣٠ (٢) شرح سنن ابن ماجه للسيوطي: ١ /١٤٧ (٣) سبل السلام: ٣ / ١٨١ (٤) البدر المنير: ٨ /١١٨ (٥) التلخيص الحبير: ٣ /٤٦٨ (٦) تنقيح التحقيق لابن عبدالهادي: ٤ /٤١٢رقم ٢٨٢٧ (٧) نصب الراية: ٣ /٢٢٢ (٨) الدراية : ٢ /٦٩ (٩) الاصابة في تميز الصحابة : ٣ /٤٣٧رقم ٤٠٨٧ (١٠) المبسوط للسرخسي: ٦ /٦١٧ (١١) بدائع الصنائع : ٧ /٥٤ (١٢) فتح القدير لابن همام: ٧ / ٤٩٧ (١٣) المحلىٰ: ٨ /٣٣٣ (١٤) نيل الأوطار: ٧ /١٤

جبری طلاق اور فیصلۂ فاروقی:

(٢) ایک عورت نے جبراً اپنے شوہر سے طلاق مانگی تو اس نے تین طلاقیں دے دیں[فَرُفِعَ اِلٰی عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَأَبَانَهَا مِنْهُ] یہ معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے اس شخص کی بیوی اس سے جدا کر دی۔ (١) سنن الكبرىٰ للبيهقي : ٧ /٣٥٧ رقم ١٥٤٩٦ (٢) مسند ابن الجعد : ١ /٣٣٥ (٣) غريب الحديث لابي عبيد الله ابن سلام : ٣ /٣٢٢ (٤) المنة الكبرىٰ: ١ /٢٩٩ (٥) نصب الراية : ٣ /٢٢٤ (٦) مسند الفاروق لابن كثير : ١ /٤١٦ (٧) سدالذرائع والتحريم الحيل لابن القيم: ٤ /٤٣٢ (٨) مختصر خلافيات للبيهقي: ٤ /٢٢٣ (٩) أعلام الموقعين: ٤ /٥٢ (١٠) زادالمعاد : ٥ /٢٦٦، ٢٩١ (١١) معرفة السنن والآثار للبيهقي: ٥ /٤٩٤۔

لہٰذا ان دلائل کی روشنی میں طالب الرحمٰن غیر مقلد کی بات غلط اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بات درست اور فقہ حنفی قرآن وسنت کے عین مطابق ہے ان غیر مقلدین کے سارے اعتراض ایسے ہی ہیں یہ مضمون اتنی طوالت کا متحمل نہیں ہو سکتا کہ سارے اعتراضات کا احاطہ کیا جائے عقلمند کے لیے اتنا ہی کافی ہے اور متعصب، ضدی اور جاہل کے لیے دفتر بھی نا کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ حق واضح ہو جانے کے بعد اس کو قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ □□

شخصیت

محمد ارشاد عالم نعمانی☆

امام غزالی کی تجدیدی واصلاحی خدمات

اصلاح وتجدید، اسلامی شریعت کا ایک اہم فرض منصبی ہے اور یہ مرتبہ ہر کس وناکس کو حاصل نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہ سلسلۂ نبوت کے ختم ہوجانے کے بعد اصلاح امت کا اہم فریضہ وارثین انبیا یعنی علما کے سپرد ہے۔ اوران علمائے اسلام میں ہر صدی میں جو عالم اپنے عہد میں احقاق حق و ابطال باطل، اصلاح امت اور احیائے شریعت کا غیر معمولی فریضہ انجام دیتا ہے، انہیں ''مجدد'' کے امتیازی لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر صدی کے آغاز واختتام پر ایک مجدد کی آمد اور ان کے تجدیدی خدمات کی بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علیٰ راس کل مأۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا، (ابو داؤد، مشکوٰۃ)

ہر صدی کے خاتمہ پر اس امت کے لیے اللہ تعالیٰ ایک شخصیت کو بھیجے گا جو اس کے لیے اس کے دین کو نکھار دے گا۔

مذکورہ بالا حدیث رسول سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی میں ایک ایسا مرد کامل پیدا فرماتا ہے جس کے ذریعے سے اللہ کو اپنے دین کی خدمت لینا مقصود ہوتی ہے۔ پھر اس شخص کو اپنے فضل خاص سے نواز کر اس کے ذہن و قلب کو دین کی تبلیغ وتجدید کی طرف راغب فرماتا ہے اور پھر اس کے ذریعہ دین کی ترویج واشاعت اور اشرف المخلوقات کی رہنمائی کا فریضہ انجام دلواتا ہے۔

اس حوالے سے حضرت شیخ مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

چوں کہ حضرت خاتم الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت نسخ وتبدیل سے محفوظ ہے اس لیے حضور کی امت کے علما کو انبیا کا مشن عطا فرما کر شریعت کی تقویت اور ملت کی تائید کا کام ان کے سپرد فرمایا ہے'' (مکتوبات امام ربانی)

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی علیہ الرحمۃ (۴۵۰ھ/۵۰۵ھ-۱۰۵۵ء/۱۱۱۱ء) انہیں مقدس شخصیات میں سے ایک اہم شخصیت ہیں جنہوں نے اپنے عہد میں اصلاح امت اور احیائے شریعت کا گراں قدر فریضہ انجام دیا۔ چنانچہ علمائے اسلام نے انہیں پانچویں صدی ہجری کا مجدد تسلیم کیا ہے۔ کار تجدید واجتہاد کے لیے جس قدر بصیرت وبصارت، عقل وفہم، علمی جاہ وجلال اور پاکیزگی نفس وتطہیر باطن کی ضرورت ہے وہ سب امام غزالی کے اندر ابتدائے عنفوان شباب سے ہی پائی جارہی تھی۔ اللہ رب العزت نے امام غزالی کی عقل وفہم کو اس قدر کشادہ اور روشن فرمادیا تھا کہ آپ علوم وفنون کے ہر میدان میں اپنے معاصرین سے منفرد، ممتاز اور یکتا نظر آتے ہیں جس کی شہادت آپ کے ہم عصر کے اقوال اور شہادتوں سے بھی ہوتیں ہیں۔ ذیل میں چند شہادتیں ملاحظہ کیجیے۔

آپ کے استاد گرامی امام الحرمین جن سے آپ نے نیشاپور میں تعلیم حاصل کی تھی اور وہیں اپنے استاذ کے نائب ومعید ہوگئے تھے وہ آپ کی تعریف میں فرماتے ہیں:

''غزالی بحر ذخار ہے'' (تاریخ دعوت وعزیمت ج ۱، ص ۱۳۰ مطبوعہ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ طبع ہفتم ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء)

امام غزالی کے علم وفضل پر آپ کے استاذ گرامی کی یہ رائے اس وقت کی ہے جب آپ تقریباً ۲۸ سال کے تھے۔ آپ کے ایک معاصر فاضل شیخ عبدالغافر فارسی جو امام حرم سے درس واستفادہ میں آپ کے ساتھ تھے آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''امام غزالی کے جاہ وجلال کے سامنے امرا اور وزرا اور خود بارگاہ خلافت کی شان وشوکت ماند پڑ گئی تھی'' (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۴/ص ۱۰۷)

۳۴ سال کی عمر میں آپ کی علمی شہرت اور ممتاز قابلیت سے متاثر ہوکر حاکم وقت نظام الملک طوسی نے آپ کو ۴۸۴ھ میں اس وقت کے سب سے ممتاز ادارہ ''مدرسہ نظامیہ'' کی صدارت کے لیے آپ کا انتخاب کیا جو اس وقت کسی بھی عالم کے لیے سب سے بڑا اعجاز اور علمی منصب تھا۔ تحصیل علوم وفنون، شاندار درس وافادہ اور اپنے عہد کے سب سے بڑے علمی منصب پر فائز ہونے کے بعد بھی آپ کی عالی دماغ ذہن وفکر کو سیرابی حاصل نہیں ہوئی پھر معرفت نفس اور تطہیر باطن کے لیے آپ متوجہ ہوئے اور مسلسل دس سال تک صحرا نوردی اور ریاضت ومجاہدے میں حقیقی معرفت سے فیض یاب ہوئے جس کا ذکر انہوں نے تلاش حق پر مشتمل اپنی خود نوشت سوانح حیات ''المنقذ من الضلال'' میں تفصیل سے کیا ہے۔ تلاش حق کے دوران من جانب اللہ ان کے ذہن میں اس حقیقت کا القاء ہوا کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی نیابت میں حقیقی اسلام کی پیش کش اور اصلاح وتجدید کے لیے آپ کی شخصیت سے بڑھ کر اور کوئی ذات اس کام کے لیے موزوں نہیں۔ چنانچہ اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے آپ رقم طراز ہیں:

☆ دارالقلم، ذاکر نگر، نئی دہلی-۲۵

جب میں نے دیکھا کہ لوگوں کے اعتقادات اصل نبوت، حقیقت نبوت اور نبوت کی تعلیمات پر عمل کرنے کے متعلق خراب ہوگئے ہیں اور میں نے مشاہدہ کیا کہ اس سلسلے میں لوگ کئی فرقوں میں بٹ گئے ہیں تو میں نے لوگوں کے اعتقادات کی ذلت اور ان کے ایمان کی کمزوری کے اسباب معلوم کرنے کی کوش کی، تو معلوم ہوا کہ اس فسادِ دینی و اعتقادی کے چار اسباب ہیں:
(۱) پہلا فلسفہ میں انہماک رکھنے والوں کی طرف سے پیدا ہوتا ہے۔
(۲) دوسرا طریق تصوف میں انہماک رکھنے والوں کی طرف سے۔
(۳) تیسرا ان لوگوں کی طرف سے جو امام معصوم سے تحصیل علم کا دعوی کرتے ہیں یعنی باطنیہ۔ (۴) چوتھا نام نہاد علما کا کردار۔ جب میں نے دیکھا کہ مذکورہ اسباب کی بنا پر لوگوں کا ایمان اس درجہ تک کمزور ہو چکا ہے اور میں نے محسوس کیا کہ میں ان شبہات کی قلعی کھولنے کی اہلیت رکھتا ہوں کیوں کہ ان لوگوں کا رد میرے لیے پانی کا ایک قطرہ پی لینے سے بھی زیادہ آسان تھا اس لیے کہ میں ان لوگوں یعنی فلاسفہ، صوفیا، اہل تعلیم اور نام نہاد علما کے علوم اور طرق میں گہری دسترس رکھتا تھا۔ میرے جی میں یہ بات آئی کہ موجودہ وقت اس کام کے لیے متعین ہے۔ میرے اندر سے آواز اٹھی کہ تمہیں تنہائی اور گوشہ نشینی کی پڑی ہے گزارنے کی رخصت پیدا کرلی اور بارگاہ خداوندی میں اپنی معذوری کا اقرار کرلیا لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ بادشاہ وقت کے دل میں بغیر کسی خارجی تحریک کے اس بڑھتی ہوئی گمراہی کے سدباب کے لیے خود بخود یہ خیال پیدا ہوا اور انہوں نے بالتاکید مجھے نیشاپور پہنچنے کا حکم دیا۔ اب میرے لیے عذر خواہی کی کوئی سبیل نہ رہی، تو میں نے کچھ اصحاب دل سے مشورہ کیا۔ سب نے بیک زبان گوشہ نشینی کے ترک کا مشورہ دیا۔ اس پر مستزاد یہ کہ خواب میں صالحین کی مسلسل اور متواتر زیارت نے اس خیال کو تقویت بخشی جو اس بات کا ثبوت تھا کہ یہ کام خیر و برکت کا کام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس صدی کے اختتام پر مقرر فرما دیا ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالی نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ہر صدی کے اختتام پر اپنے دین کو تقویت بخشے گا۔

ان شہادات کی روشنی میں امید کی شمع روشن ہوئی اور حسن ظن غالب ہوگیا اور اللہ تعالی نے ذی قعدہ ۴۹۹ھ میں اس کار خیر کی انجام دہی کے لیے نیشاپور کی طرف کوچ کے اسباب مہیا فرما دیے، میں نے بغداد سے ذی قعدہ ۴۸۸ھ میں کوچ کیا۔ (المنقذ من الضلال مترجم ص ۸۷ تا ۹۳ ملخصاً، ناشر: غوثیہ پبلشر، الہ آباد)

تجدید و احیائے شریعت کے لیے یہی وہ اسباب و علل اور اس تعلق سے امام غزالی کا یہی وہ جذبۂ صادق تھا جس کے پیش نظر امام غزالی دوبارہ میدان عمل میں آئے۔ اور پوری بصیرت کے ساتھ دین کے نام پہ وجود پذیر فتنوں کا استیصال اور اصلاح امت و تبلیغ اسلام کا مقدس فریضہ انجام دیا۔ انہوں نے اپنی ۵۵ سالہ زندگی میں اسلام کی صحیح تفہیم اور مسلمانوں کے اخلاقی و دینی اصلاح اور ان کے ایمان و عقیدے کے تحفظ کے لیے جو ہمہ گیر کارنامے انجام دیے اس کے ذکر کے لیے دفاتر درکار ہیں البتہ ذیل میں کچھ اہم تجدیدی کارناموں پر اجمالی گفتگو پیش کی جارہی ہے:

فلسفہ کا رد:

امام غزالی نے جس عہد میں آنکھیں کھولی وہ فلسفہ سے مرعوبیت کا دور تھا۔ آپ نے فلسفہ کے خلاف علمی اسلوب اور محققانہ انداز میں کتابیں لکھیں اور فلسفہ کے زور کو نہ صرف کم کیا بلکہ اپنی خداداد بصیرت و صلاحیت کے ذریعہ عقائد اسلام کو علمی انداز میں قوم کے سامنے پیش کیا۔ فلسفہ کے رد میں بقول مولانا شبلی نعمانی: یونانیوں کے اصول کے مطابق فنون فلسفہ پر کتابیں لکھیں، جس سے یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ آئندہ ان مسائل پر وہ جو رد و قدح کریں گے آشنائے فن ہو کے کریں گے۔ فن منطق میں دو کتابیں لکھیں، محک النظر اور معیار، پچھلی کتاب نہایت مفصل اور اس میں منطق کے مسائل کے ساتھ ساتھ نکتہ چینی بھی کرتے جاتے ہیں۔ یہ کتاب اب ناپید ہے۔ (الغزالی ص ۱۰۴، دار المصنفین اعظم گڑھ طبع جدید ۱۹۹۷ء)

خاص فلسفہ کے رد اور علم کلام کی روشنی میں اسلامی عقائد کے اثبات پر آپ کی دو کتابیں کافی مشہور ہیں۔ جن میں ایک کتاب ''مقاصد الفلاسفہ'' کے نام سے ہے اس میں آپ نے بقول مولانا ابوالحسن علی ندوی: آسان زبان اور سلجھے ہوئے طریقے پر منطق، الہیات اور طبعیات کا خلاصہ پیش کیا اور پوری غیر جانب داری کے ساتھ فلاسفہ کے نظریات اور مباحث کو مدون کردیا۔ کتاب کے مقدمہ میں امام غزالی نے وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے کہ:

''ریاضیات میں قیل وقال کی گنجائش نہیں، اور دین کا اس سے نفیاً و اثباتاً کوئی تعلق نہیں لیکن اصل مذہب کا تصادم الہیات سے ہے۔ منطقیات میں شاذونادر غلطیاں ہیں۔ اگرچہ کچھ اختلاف ہے تو اصطلاحات کا۔ طبعیات میں ضرور حق و باطل کی آمیزش ہے، اس لیے ان کا موضوع بحث در اصل الہیات اور کسی قدر طبعیات ہے، منطق محض تمہید و اصطلاحات کے لیے۔'' (تاریخ دعوت و عزیمت ج ۱، ص ۱۴۲)

رد فلسفہ اور اثبات عقاید اسلام میں آپ کا دوسرا بے نظیر کارنامہ ''تھافت الفلاسفہ'' ہے۔ اس کتاب کی اہمیت و عظمت کو بتاتے ہوئے مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

''اس کتاب میں امام غزالی نے فلسفہ کے الہیات و طبعیات پر اسلامی

نقطۂ نظر سے تنقید کی، اوراس کی علمی کمزوریوں، اس کے استدلال کے ضعف اور فلاسفہ کے باہم تناقض واختلاف کو پوری جرأت وقوت کے ساتھ ظاہر کیا، اس کتاب میں ان کا لہجہ پراز اعتماد، ان کی زبان طاقتور اور شگفتہ ہے، کہیں کہیں وہ طنزیہ اور شوخ طرز بیان اختیار کر لیتے ہیں، جس کی فلسفہ سے مرعوب حلقوں میں ضرورت تھی اور جو بڑا نفسیاتی اثر رکھتا ہے۔ اس کے پڑھنے سے محسوس ہوتا ہے کہ کتاب کا مصنف فلاسفہ کے مقابلے میں احساس کمتری کے ہر شائبہ سے پاک، اعتماد اور یقین سے لبریز اور فلسفہ سے بالکل غیر مرعوب ہے۔ وہ فلسفۂ یونان کو اپنی حیثیت اور سطح کا آدمی سمجھتا ہے اور ان سے مساویانہ وحریفانہ باتیں کرتا ہے۔ اس وقت ایک ایسے ہی آدمی کی ضرورت تھی جو فلسفہ سے آنکھیں ملا کر بات کر سکے۔ اور بجائے مدافعت اور جواب دہی کے فلسفہ پہ پورا وار کرے۔ امام غزالی نے ''تہافت الفلاسفہ'' میں یہی خدمت انجام دی ہے اول سے آخر تک اس کتاب میں ان کا طرز یہی ہے۔'' (تاریخ دعوت وعزیمت ۱/۱۴۳)

امام غزالی کی تھافت الفلاسفہ عربی زبان میں ہے اور مطبع علامیہ مصر سے چھپ بھی چکی ہے۔ میرے پیش نظر اس کا نسخہ نہیں ہے اس لیے مولانا ندوی کی تاریخ دعوت وعزیمت سے امام غزالی کی کتاب کا ایک جامع اقتباس نقل کیا جارہا ہے تا کہ امام غزالی کی ردّ فلسفہ کے باب میں اسلوب اور کام کی نوعیت کا ایک واضح خاکہ قارئین کے سامنے آسکے۔ امام غزالی تہافت الفلاسفہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''ہمارے زمانے میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جن کو یہ زعم ہے کہ ان کا دل و دماغ عام آدمیوں سے ممتاز ہے، یہ لوگ مذہبی احکام وقیود کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انہوں نے سقراط وبقراط، افلاطون وارسطو کے پُر ہیبت نام سنے اور ان کی شان میں ان کے مقلدوں کی مبالغہ آرائیاں اور قصیدہ خوانی سنی۔ ان کو معلوم ہوا کہ ریاضیات، منطقیات، طبعیات والٰہیات میں انہوں نے بڑی موشگافیاں کی ہیں اور ان کا عقل وذہن میں کوئی ہم سر نہ تھا۔ دماغ اور ذہانت کے ساتھ وہ مذاہب اور ان کی تفصیلات کے منکر تھے، اور ان کے نزدیک ان کے اصول وقواعد فرضی ومصنوع ہیں بس انہوں نے بھی تقلیداً انکار مذہب کو اپنا شعار بنالیا اور تعلیم یافتہ اور روشن خیال کہلانے کے شوق میں مذاہب کا انکار کرنے لگے، تا کہ ان کی سطح عوام سے بلند سمجھی جائے اور وہ بھی عقلا وحکما کے زمرہ میں شمار ہونے لگے۔ اس بنا پر میں نے ارادہ کیا کہ ان حکمانے الٰہیات پر جو کچھ لکھا ہے اس کی غلطیاں دکھاؤں اور ثابت کروں کہ ان کے مسائل اور اصول بازیچۂ اطفال اور ان کے بہت سے اقوال ونظریات حد درجہ کے مضحکہ خیز بلکہ عبرت انگیز ہیں'' (تاریخ دعوت وعزیمت ۱/۱۳-۱۴)

فتنۂ باطنیہ کے خلاف قلمی جہاد:

فلسفہ کے علاوہ امام غزالی نے اس وقت اسلام کے نام پر وجود پذیر ایک زبردست فتنہ ''باطنیت'' کے خلاف غیر معمولی کام کیے۔ آپ کے وقت تک فتنۂ باطنیہ نے اسلام کے خلاف بہت سے گمراہ کن عقائد ونظریات اور عوام مسلمین کو ظاہر پرستی کے فتنے سے بہت حد تک متاثر کر لیا تھا آپ نے ان کے خلاف بھی شاندار ابطال اور احقاق حق کا مقدس فریضہ انجام دیا۔

فتنۂ باطنیہ مروج اصطلاحات شریعت کی خود ساختہ تعبیر وتشریح کا فتنہ تھا جس نے شریعت اسلامی کے مسلم اصطلاحات کی من مانی تشریح کے ذریعہ مسلم امت کو گمراہی اور انتشار میں مبتلا کر دیا تھا۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی'' قواعد عقائد محمد آل باطنیہ'' تالیف محمد بن حسن الدیلمی یمانی زمانہ تالیف ۷۰۷ھ ص ۸ تا ۱۶ کے حوالے سے باطنیوں کی اصطلاحات شرعیہ کی من مانی تشریح کے نادر نمونے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نبی اس ذات کا نام ہے جس پر قوت قدسیہ صافیہ کا فیضان ہو۔ جبرئیل کسی ہستی کا نام نہیں، صرف فیضان کا نام ہے۔ مجاز سے مراد چیز کا اپنی حقیقت کی طرف واپس جانا ہے۔ جنابت سے مراد افشائے راز ہے۔ غسل سے مراد تجدید عہد۔ زنا سے مراد علم باطن کسی ایسی ہستی کی طرف منتقل کرنا جو عہد میں شریک نہ ہو۔ طہارت سے مراد مذہب باطنیہ کے علاوہ ہر مذہب سے برأت۔ تیمّم سے مراد ماذون (اجازت یافتہ) سے علم کا حصول۔ صلوٰۃ سے مراد امام وقت کی طرف دعوت۔ زکوٰۃ سے مراد اہل استعداد وصفا میں اشاعت علم۔ صوم روزہ سے مراد افشائے راز سے پرہیز واحتیاط۔ حج سے مراد اس علم کی طلب جو عقل کا قبلہ اور منزل مقصود ہے۔ جنت، علم باطن۔ جہنم، علم ظاہر۔ کعبہ خود نبی کی ذات ہے۔ باب کعبہ سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات۔ قرآن مجید میں طوفان نوح سے مراد علم کا طوفان ہے، جس میں اہل شہادت غرق کر دیے گیے۔ آتش نمرود سے مراد نمرود کا غصہ ہے نہ کہ حقیقی آگ۔ ذبح سے مراد جس کا ابراہیم کو حکم دیا گیا تھا بیٹے سے عہد لینا۔ یاجوج وماجوج سے مراد اہل ظاہر ہیں۔ عصائے موسیٰ سے مراد ان کی دلیل اور حجت ہے وغیرہ وغیرہ۔ (بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت ۱/۱۳۱)

امام غزالی نے فتنۂ باطنیہ کے خلاف تسلسل سے کام کیا۔ اس سلسلے میں ان کے بے باک اور تحقیقی قلم کے ذریعہ کئی کتابیں معرض وجود میں آئیں۔ مدرسہ نظامیہ کے زمانۂ تدریس میں خلیفۂ وقت کی فرمائش پر آپ نے باطنیوں

کی تردید میں ''المستظہری'' کے نام سے ایک مدلل کتاب تصنیف فرمائی جب کہ اپنے زمانۂ مسافرت میں حجۃ الحق، مفصل الخلاف اور قواصم الباطنیہ، فضائح الاباحیہ اور مواھم الباطنیہ جیسی بلند پایہ تصنیفات قلمبند کی اور رفتہ رفتہ باطنیہ کو علمی طور پر بے وقعت اور بے اثر ثابت کر دیا۔

علوم آخرت کا احیا:

تجدیدی و اصلاحی خدمات کے ذیل میں امام غزالی کا ایک اہم کارنامہ یہ بھی ہے انہوں نے علوم وفنون کی درجہ بندی میں مذہبی اور غیر مذہبی تفریق کی اصطلاح کو ختم کیا اور حقیقی علم شریعت کو بیانگ دہل ظاہر کیا۔ چنانچہ امام غزالی کی شہرۂ آفاق تصنیف احیاء العلوم اس کی زندہ جاوید مثال ہے جو انہوں نے علم اسرار شریعت ہی کے موضوع پہ تصنیف کی ہے۔ امام غزالی کے نزدیک ہر وہ علم جس سے تعلق باللہ قائم ہو وہ علم محمود ہے اور جس سے تعلق باللہ کا حصول نہ ہو وہ علم مذموم ہے۔ اسی طرح امام غزالی نے فرض عین علوم اور فرض کفایہ علوم کے غیر ضروری تقسیم کو جو ان کے زمانے میں رائج تھی پر سخت تنقیدیں کیں۔ اور تفصیل سے انہوں نے اس کے اسباب اور علل پر کلام کیا مولانا شبلی نعمانی امام غزالی کی علوم میں اصلاح اور اس کے اثرات پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام صاحب نے علوم کی جو تقسیم کی اور ضروری وغیر ضروری ہونے کے لحاظ سے ان کے جو مراتب قرار دیے اگرچہ ایسا کرنا دنیا سے لڑائی مول لینی تھی چنانچہ اسی بنا پر علما کا ایک جم غفیر ان کا دشمن ہو گیا، لیکن ایک مجدد کا یہی فرض تھا کہ تمام قوم کو اس عالم گیر غلطی سے بچائے جو ایک مدت سے چلی آتی تھی اور جس نے مسلمانوں کی مذہبی، علمی اور تمدنی حالت کو سخت نقصان پہنچایا تھا۔ (الغزالی ص ۲۰۳)

آگے امام غزالی کے مذکورہ کام کے اثرات کو بتاتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

امام صاحب کی اصلاح کا اثر اگرچہ فوراً ظاہر نہیں ہوا لیکن رفتہ رفتہ اس نے تعلیم کی حالت بالکل بدل دی، تعلیم کے نصاب میں فقہ وکلام کے ساتھ منطق اور فلسفہ داخل ہو گیا۔ دنیوی علوم کے لیے اتنا کافی وقت نکل آیا کہ فقہا اور محدثین بھی ریاضی دان اور حساب داں ہونے لگے۔ فقہ کے بہت سے غیر ضروری مباحث چھوٹ گئے۔ (ایضا)

اصلاحی خدمات:

تجدیدی فرائض کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ امام غزالی نے معاشرہ اور اصلاح امت کی جانب خصوصی توجہ دی اس سلسلے میں انہوں نے تحریری و قلمی جہاد کے ساتھ عملی اصلاح کی جانب اپنی بھرپور توجہ مبذول کی اور مجاہدانہ انداز میں اپنے حلقۂ درس سے مبلغین اور مصلحین تیار کرتے رہے، ساتھ ہی نام نہاد علما، صوفیہ، امراء، وزرا اور سلاطین سے براہ راست خطاب یا مکاتیب وخطوط کے ذریعہ ان کے اصلاح حال کا غیر معمولی فریضہ انجام دیا۔ چنانچہ امام غزالی کی تصنیفات، مکاتیب اور مواعظ کا مطالعہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ امام غزالی عرفان نفس کے حصول سے پہلے اور اس کے بعد بھی ہمیشہ اسی درد وکرب میں مبتلا نظر آتے ہیں کہ کس طرح اصلاح امت کا اہم فریضہ انجام دیا جائے۔ ذیل میں اصلاح امت کے اہم پہلو سلاطین، امراء، وزراء، علما، صوفیہ اور عوام کے ضمن میں امام غزالی کی اصلاحی خدمات کا ایک مختصر تذکرہ درج کیا جا رہا ہے پھر عمومی طور پر امام غزالی کے اصلاحی وتجدیدی خدمات کے اثرات ونتائج پہ گفتگو کی جائے گی۔

علما کی اصلاح:

امام غزالی کا نقطہ نظر یہ تھا کہ معاشرہ میں فساد کی اصل بنیاد علما کی بد اخلاقیوں کا نتیجہ ہوتا ہے جب یہ حضرات راہِ راست پر ہوں گے تو اسلامی معاشرہ کسی قسم کی بداخلاقی کا شکار نہیں ہوگی۔ امام غزالی اپنی کتاب احیاء العلوم میں اس کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''رعایا اس وجہ سے ابتر ہو گئی کہ سلاطین کی حالت بگڑ گئی اور سلاطین کی حالت بگڑ گئی اس لیے کہ علما کی حالت بگڑ گئی اور علما کی خرابی اس وجہ سے ہے کہ جاہ ومال کی محبت ان کے دلوں میں گھر گئی ہے'' (احیاء العلوم باب امر بالمعروف)

ایک جگہ عہد صحابہ اور بعد کے عہد میں علما کی اصلاحی خدمات اور دعوتی واقعات اور اس کے فوائد وبرکات بتانے کے بعد اخیر میں علما کو ان کا منصب دعوت وارشاد بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

''علمائے کرام کا طریقہ یہ تھا کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسی طرح کرتے تھے، چنانچہ وہ بادشاہوں کے دبدبے اور جاہ وحشمت کی بہت کم پرواہ کرتے تھے، وہ اللہ تعالیٰ پہ بھروسہ رکھتے تھے کہ وہ ان کی حفاظت فرمائے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے پر راضی رہتے تھے کہ وہ ان کو شہادت کا مقام عطا کرے گا۔ جب ان لوگوں کی نیت خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی تھی تو ان کے کلام میں یہ تاثیر تھی کہ سخت دل بھی نرم ہو جاتے تھے اور ان کی سختی ختم ہو جاتی تھی۔ لیکن اب تو لالچ وطمع نے علما کی زبانیں گنگ کر دی ہیں اور وہ خاموش ہیں۔ اگر وہ کچھ بولتے ہیں تو ان کا قول ان کے حال کے موافق نہیں ہوتا، لہذا وہ کامیاب نہیں ہوتے۔ اور اگر وہ (آج بھی) سچ بولیں اور علم حق کو ملحوظ رکھیں تو کامیابی سے ہمکنار ہوں...... پھر جس آدمی پر دنیا کی محبت غالب ہو وہ اول درجہ لوگوں کا بھی احتساب نہیں کر سکتا چہ جائیکہ بادشاہوں اور بڑے لوگوں کی اصلاح واحتساب۔ کیونکہ یہ تو بڑی چیز ہے (احیاء العلوم مترجم ج ۲

۷۹/۷ فاروقیہ بکڈپو دہلی، مترجم مولانا محمد صدیق ہزاری پاکستان)

اس طرح امام غزالی نے متعدد جگہ علما کے منصب ہدایت واصلاح اور فریضۂ دعوت وتبلیغ پہ جگہ جگہ توجہ دلائی ہے اور علما کو اخلاص عمل سے اس مقدس فریضہ کی انجام دہی پہ نہ صرف ابھارا ہے بلکہ اپنے عہد کے علما کا اس مقدس فریضے سے پہلوتہی کرنے پر جگہ جگہ خوبصورت ریمارک اور دردمندانہ تنقید واحتساب بھی فرمایا ہے۔

سلاطین وامرا کی اصلاح :

سلاطین وامرا کی اصلاح کے حوالے سے بقول مولانا شبلی نعمانی:

امام غزالی کا یہ حال تھا کہ سلاطین کو جور وتعدی سے روکنا علما کا خاص فرض ہے اور ایسا فرض ہے جو امر بالمعروف کی حیثیت سے قرآن مجید میں منصوص ہے۔ دوسری طرف سلطنت کے مفاسد کا تجربہ جس قدر ان کو ہوا تھا دوسروں کو نہیں ہوسکتا تھا۔ بغداد میں وہ دربار خلافت میں باریاب تھے اور ملکی حالات میں اکثر ان سے مشورہ کیا جاتا تھا۔ سلاجقہ کے دربار میں بھی ان کی آمد ورفت تھی اور وزرائے سلجوقیہ سب کے سب ان کے ارادت منداور حلقہ بگوش تھے۔ دس بارہ برس کے متواتر سفر نے جس کی مسافت خراسان سے بیت المقدس تھی، ان کو تمام ممالک اسلامیہ کی ایک ایک جزوی حالت سے واقف کرادیا تھا۔ ان تجربوں میں ان کو صاف نظر آیا کہ سلطنت کے نظم ونسق میں جمہوریت کا کسی قسم کا اثر نہیں رہا۔ بیت المال کی یا تو وہ حالت تھی کہ حضرت ابوبکر کو پچاس روپے ماہوار سے بھی زیادہ نہ مل سکے یا یہ نوبت پہنچی کہ سلطان سنجر نے ایک دفعہ اپنے معشوق سنقر کو جو ایک ترکی غلام تھا لاکھوں روپے کی جاگیرات، اسباب مال ومتاع کے علاوہ سات لاکھ اشرفیاں نقد دے دیں۔'' (الغزالی ص۲۱۳، ۲۱۴)

ان حالات میں امام غزالی نے سب سے پہلے طبقۂ علما کو نہایت دلیری سے سلاطین کو ان کے عیوب ومظالم سے مطلع کرنے پر ابھارا اور جو چیز علما کو اظہار رائے کی آزادی اور اعلائے کلمۂ حق سے پہلوتہی کے لیے مانع تھی اس مفسدہ پہ بند باندھنے کی کوشش کی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ امام غزالی نے بڑی شدومد کے ساتھ علما کو سلاطین کی وظیفہ خواری سے روکا، دربار میں آمد ورفت کے خلاف سخت احکامات جاری کیے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے احیاء العلوم جلد دوم باب الحلال والحرام پانچواں اور چھٹا باب)

اصول حکومت اور نصیحت ملوک پر ان کی اہم کتاب **نصیحۃ الملوک** سے اصول عدل وانصاف کے دس نکاتی فارمولے کا ذکر مختصراً کیا جانا ضروری ہے جس میں انہوں نے سلاطین وقت کو عدل وانصاف کے سلسلے میں دس اہم اصول پر مشتمل قیمتی نصائح قلمبند کیے ہیں جس کی شاہ سرخیاں حسب ذیل ہیں:

(۱) قتدار کی قدر وقیمت کو سمجھنا (۲) ہمیشہ علما کی زیارت کا متمنی رہنا (۳) صرف ظلم نہ کرنے پر قانع نہ ہونا (۴) حکمراں کا بالعموم مغرور ہونا (۵) ہر معاملے میں خود کو رعایا کا ایک فرد شمار کرنا (۶) ضرورت مندوں کے دروازہ کے سامنے آنے کو حقیر نہ سمجھنا (۷) اپنے نفس کو خواہشات کا عادی نہ بنانا (۸) حتی الامکان لطف ونرمی سے معاملات طے کرنا (۹) اتباع شریعت کے ذریعے رعایا کو خوش کرنے کی کوشش کرنا (۱۰) کسی کی رضا کے لیے شریعت کی مخالفت نہ کرنا۔

پوری کتاب اسی طرح کے قیمتی نصائح اور اصول حکومت کے بیان پر مشتمل ہے۔ کتاب میں جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے وہ نہایت سنجیدہ اور غیر معذرت خواہانہ ہے۔ اس میں سلاطین کو ان کی اصل ذمہ داریوں، ساتھ ہی رعایا کے ساتھ بحیثیت حکمراں کیسا رویہ اپنایا جانا چاہیے ان تمام پہلوؤں پر قرآن وسنت اور واقعات وحکایات کے آئینے میں بڑی مؤثر گفتگو کی گئی ہے۔ نصیحۃ الملوک کے علاوہ آپ کے مکاتیب کا ایک مجموعہ بھی ہے جس میں آپ نے دولت سلجوقیہ کے وزرا کے نام عدل وانصاف کی تلقین اور اصلاح حال کے لیے نہایت دلیری اور بے باکی کے ساتھ خطوط لکھے ہیں۔ یہ کتاب تہران سے ۱۳۳۳ھ میں چھپی ہے اور ۱۷۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ طبقہ علما وطبقہ سلاطین وحکام ووزرائے مملکت کے ساتھ آپ نے اصلاح امت کے لیے معاشرے کے دیگر طبقات کے طرز زندگی اور اخلاقیات کا بھی محاسبہ فرمایا جس پر آپ کی کتاب احیاء العلوم کی پانچ جلدیں اور دیگر کتب ورسائل شاہد ہیں۔

اثرات ونتائج:

ذیل میں امام غزالی کی تجدیدی واصلاحی خدمات کے اثرات ونتائج پر ایک اجمالی گفتگو قلم بند کی جارہی ہے۔ فلسفہ کے خلاف آپ کی خدمات کے اثرات پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

''تہافت الفلاسفہ نے فلسفہ کے خیالی طلسم پر کاری ضرب لگائی اور اس کی عظمت، ذہنی تقدس کو کافی نقصان پہنچایا، اس کتاب کی تصنیف نے فلسفہ کے حلقوں میں ایک اضطراب اور غم وغصہ پیدا کردیا۔ مگر سو برس تک اس کے جواب میں کوئی شایان شان کتاب تصنیف نہیں ہوئی۔ (تاریخ دعوت وعزیمت ۱/۱۴۵)

اصلاح عقائد یعنی علم کلام میں آپ کی خدمات کے اثرات کو بتاتے ہوئے مولانا شبلی نعمانی رقم طراز ہیں:

''اس سلسلے میں عملی طور پر امام غزالی کی کوشش کا جو اثر ہوا وہ یہ تھا کہ اشعریہ وحنابلہ جو آپس میں ضد یک دگر تھے اور جن میں اختلاف عقائد کی بنا پر بارہا خون ریزیاں ہو چکیں تھیں رفتہ رفتہ ان کا اختلاف کم ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ بجز بعض مستثنیات کے اشاعرہ اور حنابلہ عموماً شیر وشکر ہو گئے۔ دار الخلافہ بغداد کے سنی وشیعہ میں بھی ۵۰۲ میں صلح ہوگئی اور وہ خوں ریزیاں جن کی بدولت بغداد کے محلے کے محلے برباد ہو گئے، دفعتاً رک گئیں۔ (الغزالی ص ۱۸۹)

علوم میں درجہ بندی کے نتائج یہ سامنے آئے کہ ''اس طرز عمل سے طرز تعلیم کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ اس وقت تک عام تعلیم کا جو نصاب مقرر تھا، علوم عقلیہ سے بالکل خالی تھا۔ نظامیہ جیسے بڑے دار العلوم میں معقولات کی ایک کتاب بھی داخل درس نہ تھی۔ محدثین، مفسرین، فقہا علوم عقلیہ سے نا آشنائے محض ہوتے تھے۔ امام صاحب کے زمانے میں دفعتاً یہ حالت بدل گئی، اب معقول ومنقول کی تعلیم ساتھ ساتھ ہونے لگی، یہاں تک کہ ایک صدی بھی گزرنے نہ پائی تھی کہ شیخ الاشراق اور امام فخر الدین رازی جیسے لوگ پیدا ہونے لگے جو عقل ونقل دونوں اقلیم کے شہنشاہ تھے۔

اس اصلاح کا بڑا اثر اسپین میں ہوا۔ اس وقت تک اس ملک میں علوم عقلیہ سے یہ تعصب تھا کہ امام غزالی کی کتابیں جب وہاں پہنچیں تو اس شبہ پر کہ ان میں فلسفہ کی آمیزش ہے تمام نامور علمانے ان کے جلا دینے کا حکم دے دیا۔ اس حکم کی تعمیل بھی کی گئی۔ لیکن جب ابوبکر عربی وغیرہ امام صاحب سے تحصیل علوم کر کے اسپین واپس گئے تو یہاں بھی نئے مذاق کا چرچہ ہوا۔ اور اگر چہ آخری زمانے تک بھی فلسفہ کا عام رواج نہ ہو سکا، تاہم خواص نے بڑے ذوق وشوق سے اس فن کو سیکھنا شروع کیا اور اس تحریک نے سو ہی ڈیڑھ سو برس میں ابن رشد، ابن طفیل، ابن باجہ جیسے نامور پیدا کر دیے۔ (ایضاً ص ۲۴۳)

ارباب ظاہر کے سوا دوسرا گروہ جو مسلمانوں میں پایا جاتا ہے یعنی حضرات صوفیہ اور حکمائے اسلام، وہ سرتاپا اس الہیات کے پیرو ہیں جس کو امام غزالی نے اسرار شریعت سے تعبیر کیا۔ حضرات صوفیہ اور فلاسفہ اسلام کے سرگروہ مولانا روم، شیخ الاشراق، ابن رشد اور شاہ ولی اللہ صاحب ہیں ان بزرگوں کی تصنیفات در حقیقت امام صاحب ہی کے خیالات کا آئینہ ہیں۔ (ایضاً ص ۲۴)

اصلاح سلاطین وحکام کے نتائج پر گفتگو کرتے ہوئے مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

''اس بات کا پتہ لگانا مشکل ہے کہ امام صاحب کی ان کوششوں کا کیا نتیجہ برآمد ہوا، ہمارے مؤرخین واقعات کو اس قدر سادہ اور پراگندہ لکھتے ہیں کہ واقعہ کے اسباب یا تو بالکل نہیں لکھتے، یا لکھتے ہیں تو واقعہ سے جدا لکھتے ہیں۔ تاریخوں میں بعض واقعات ایسے موجود ہیں جن سے قیاس ہو سکتا ہے کہ امام صاحب کی کوشش بالکل رائیگاں نہیں گئی۔ لیکن افسوس ہے کہ کسی مؤرخ نے یہ تصریح نہیں کی کہ ان واقعات کا ظہور میں آنا امام صاحب کے اثر سے تھا۔ بہر حال وہ واقعات یہ ہیں:

(۱) ملک کی تباہی اور جور وظلم کے رواج کا بڑا سبب محمد شاہ و برکیارق کی خانہ جنگیاں تھیں۔ ۴۹۷ھ میں دونوں میں صلح ہوئی اور امن وامان قائم ہو گیا۔

(۲) ۵۰۱ھ میں محمد شاہ نے ہر قسم کے ٹیکس، محصول، بیگار، پروانۂ رہداری، وغیرہ وغیرہ معاف کر دیے اور یہ حکم تختیوں پر لکھ کر بازاروں میں آویزاں کیا گیا۔

(۳) ایک دفعہ کسی تاجر نے قاضی کے یہاں نالش پیش کی کہ فلاں عامل کو بادشاہ نے حکم دیا تھا کہ میرے مال کی قیمت دلا دے۔ لیکن وہ ٹال مٹول کرتا ہے، قاضی نے اپنے غلام ساتھ کر دیے، اتفاق سے خود محمد شاہ کسی طرف سے آنکلا اور حقیقت حال دریافت کی، غلاموں نے کہا، مدعا علیہ کو عدالت میں لانے کے لیے جاتے ہیں۔ بادشاہ نے مدعا علیہ کا نام پوچھا، غلاموں نے کہا محمد شاہ۔ بادشاہ کو نہایت رنج ہوا اور اسی وقت عامل کو طلب کیا اور سخت تنبیہ کی۔ اس واقعہ کے بعد وہ ہمیشہ اس بات پر افسوس کرتا رہا کہ میں عدالت میں مدعا علیہ کی حیثیت سے کیوں حاضر نہ ہوا۔ تا کہ آئندہ کسی کو حق کی تسلیم سے عار نہ ہوتا۔ امراء کو جب محمد شاہ کا مزاج اور طریقہ معلوم ہوا تو پھر کسی نے ظلم کی جرأت نہ کی اور سب نے ظلم سے ہاتھ کھینچ لیے۔ یہ وہی چیز تھی جس کے لیے امام نے ساری محنت اٹھائی تھی۔ (ایضاً ص: ۲۲)

خلاصہ گفتگو:

آپ کے علمی وتجدیدی اور اصلاحی خدمات کے نتائج اور اثرات ہمہ جہت انداز میں سامنے آئے۔ خواہ وہ فلسفہ وکلام کی اصلاح ہو یا اصلاح عقائد، نصابی علوم میں توسیع ونظام تعلیم میں بہتری کا معاملہ ہو یا تصوف واخلاق اور سلاطین وامرا وعلما کی اصلاح کا معاملہ ہر میدان میں نمایاں اثرات مرتب ہوئے بلکہ مولانا ابوالحسن علی ندوی کے بقول: '' آپ کی شخصیت کا عالم اسلام پر مجموعی حیثیت سے جو اثر ہوا وہ یہ ہے کہ امام غزالی کی شخصیت کا اثر صدہا انقلابات کے بعد بھی پورے عالم اسلام میں ان کا نام اور کام آج بھی زندہ ہے اور ان کی شخصیت علمی وفکری حلقوں پر حاوی اور ان کی تصنیفات آج بھی ایک بڑے حلقے میں مقبول اور پڑھنے والے کو متأثر کرتی ہے۔''

ضرورت ہے کہ ان کے علمی وتجدیدی افکار ونظریات کو وسیع پیمانے پر پھیلایا جائے اور اپنے عملی زندگی میں ان کے افکار سے روشنی حاصل کی جائے۔ □□

مولانا عبدالحکیم شرف قادری☆

امام المحدثین حضرت مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری

سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت جس کی ایک تابناک، دل پذیر اور وسیع تاریخ ہے۔ اعتقادی، مسلکی اور فکری اعتبار سے امت کی رہنمائی کا بارِ گراں اس کے مضبوط کاندھے پر ہے۔ ماضی میں ہمارے اسلاف و اکابر نے امت کی رہنمائی اور کامیابی کے لیے جو قابلِ فخر اور زرّیں کارنامے انجام دیے وہ آج بھی ہمارے لیے بہترین نمونہ اور مشعلِ راہ ہیں۔ نہایت خوشی اور مسرت کی بات ہے کہ پچھلے دو تین سالوں سے بڑے منظّم اور مربوط انداز میں سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت میں ''تحریکِ اسلاف شناسی'' چل رہی ہے۔ اگر اسی طرح یہ تحریک پوری بیداری کے ساتھ چلتی رہی تو جماعت اہلِ سنت بہت جلد اپنے اسلاف و اکابر اور ان کی روشن تاریخ سے واقف ہو جائے گی۔ اس اہم تحریک کا حصہ بنتے ہوئے اسلاف و اکابر اہلِ سنت کی حیات، خدمات اور تعلیمات سے مسلمانوں کو واقف کرانے کے لیے ادارہ 'ماہِ نور' کی جانب سے 'تحریکِ اسلاف شناسی' کا یہ یادگار کالم شروع کیا گیا ہے۔ اس کالم کے تحت تیرہویں اور چودھویں صدی ہجری کے نمائندہ اکابر اہلِ سنت کی خدمات ہر مہینے پیش کی جائیں گی۔ **(نوشاد عالم چشتی علیگ)**

مرجع الفقہا والمحدثین مولانا ابو محمد سید محمد دیدار علی شاہ ابن سید نجف علی ۱۲۷۳ھ/ ۱۸۵۶ء بروز پیر محلّہ نواب پورہ، الور میں پیدا ہوئے۔ (الیواقیت المہر یہ، مولانا غلام مہر علی، ص ۱۷) آپ کے عمِ مکرم با خدا بزرگ مولانا سید نثار علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ولادت سے قبل آپ کی والدہ ماجدہ کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

''بیٹی! تیرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو دینِ مصطفوی کو روشن کرے گا اس کا نام دیدار علی رکھنا۔'' (اخبار جمعیت لاہور، قاضی عبدالنبی کوکب، ۷رفروری ۱۹۵۸ء، ص ۳)

آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے آبا و اجداد مشہد سے ہندوستان آئے اور الور میں قیام پذیر ہوئے۔

آپ نے صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں الور میں مولانا قمرالدین سے پڑھیں، مولانا کرامت اللہ خاں سے دہلی میں درسی کتابوں اور دورۂ حدیث کی تکمیل کی، فقہ و منطق کی تحصیل مولانا ارشاد حسین رامپوری سے کی۔ سندِ حدیث مولانا احمد علی محدث سہارنپور اور حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی سے حاصل کی۔ حضرت شیخ الاسلام پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی اور مولانا وصی احمد محدث سورتی آپ کے ہم درس تھے۔

آپ سلسلۂ نقشبندیہ میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ سلسلۂ چشتیہ میں حضرت مولانا سید علی حسین کچھوچھوی اور سلسلۂ قادریہ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے خلیفہ مجاز ہوئے۔

(تذکرہ علمائے اہلِ سنت و جماعت لاہور، پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، ص ۲۶۸-۲۶۹)

حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ اور صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی کے درمیان بڑے گہرے دوستانہ مراسم تھے۔ ایک مرتبہ حضرت صدرالافاضل نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کا ذکر کیا اور ملاقات کی رغبت دلائی، حضرت سید المحدثین نے فرمایا:

''بھائی! مجھے ان سے کچھ حجاب سا آتا ہے، وہ پٹھان خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور سنا ہے طبیعت سخت ہے۔''

لیکن حضرت صدرالافاضل دوستانہ روابط کی بنا پر بریلی لے ہی گئے، ملاقات ہوئی تو حضرت مولانا نے عرض کیا: حضور! مزاج کیسے ہیں؟ اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

''بھائی کیا پوچھتے ہو پٹھان ذات ہوں، طبیعت کا سخت ہوں۔''

کشف کی یہ کیفیت دیکھ کر مولانا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، سرِ عقیدت نیازمندی سے جھکا دیا اس طرح بارگاہِ رضوی سے نہ ٹوٹنے والا تعلق قائم ہو گیا۔''

(تذکرہ علمائے اہلِ سنت و جماعت لاہور، پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، ص ۲۶۸-۲۶۹)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ قدس سرہٗ اور آپ کے قابلِ صد فخر فرزند مفتی اعظم پاکستان مولانا سید ابوالبرکات کو تمام کتبِ فقہ حنفی کی روایت کی اجازت فرمائی۔ (مقدمہ

☆ پاکستان

میزان الادیان بتفسیر القرآن، امام المحدثین دیدار علی شاہ، ص۸۰) اور اجازت و خلافت عطا فرماتے ہوئے تمام اوراد و وظائف کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ تکمیلِ علوم کے بعد ایک سال مدرسہ اشاعت العلوم رامپور میں رہے۔

۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء میں الور میں قوت الاسلام کے نام سے ایک دارالعلوم قائم کیا، پھر لاہور تشریف لاکر جامعہ نعمانیہ میں فرائضِ تدریس انجام دیتے رہے۔ ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۷ء میں مولانا ارشاد حسین رامپوری کے ایما پر آگرہ میں شاہی مسجد کے خطیب اور مفتی کی حیثیت سے تشریف لے گئے۔ ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۲ء میں دوبارہ لاہور تشریف لائے۔ (نقوش، لاہور نمبر، ص۹۲۹) اور مسجد وزیر خاں میں خطابت کے ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۵ء میں مرکزی انجمن حزب الاحناف قائم کی اور دارالعلوم حزب الاحناف کی بنیاد رکھی جہاں سے سینکڑوں علما، فضلا اور مدرسین پیدا ہوئے۔ آج پاکستان کا شاید ہی کوئی شہر یا دیہات ہوگا جہاں حزب الاحناف کے فارغ التحصیل علما دینی خدمات انجام نہ دے رہے ہوں۔ (الیواقیت المہر یہ، مولانا غلام مہر علی، ص۱۱۹)

حضرت کی ذاتِ ستودہ صفات محتاجِ تعارف نہیں۔ بے باکی اور حق گوئی آپ کی طبیعتِ ثانیہ بن چکی تھی، مخالفتوں کے طوفان آپ کے پائے ثبات کو جنبش نہ دے سکے، دُنیا کی کوئی طاقت انھیں مرعوب نہ کرسکتی تھی، علم و فضل کے تو گویا سمندر تھے، کسی مسئلے پر گفتگو شروع کرتے تو گھنٹوں بیان جاری رہتا۔ سورۂ فاتحہ کا درس ایک سال میں ختم ہوا، آپ کے خلوص و ایثار، زہد و تقویٰ، سادگی اور اخلاقِ عالیہ کے مخالف و موافق سبھی معترف تھے، سنیت اور حنفیت کے تحفظ اور فروغ کے لیے آپ نے نہایت اہم خدمات انجام دیں۔ غازیٔ کشمیر مولانا سید ابوالحسنات قادری صدر جمعیت علمائے پاکستان اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا ابوالبرکات سید احمد شیخ الحدیث دارالعلوم حزب الاحناف لاہور آپ ہی کے فضل و کمال کے عکسِ جمال تھے، آپ عربی، اُردو اور فارسی میں شعر بھی کہتے تھے، آپ کے دیوان پختگیٔ کلام پر شاہد ہیں۔

ہندو پاک میں آپ کی انتھک تدریسی کاوشوں کی بدولت بے شمار تلامذہ نے آپ سے علومِ دینیہ کی تعلیم پائی۔ آپ کے صاحبزادگان کے علاوہ چند تلامذہ کے نام یہ ہیں:

(۱) مولانا ارشاد علی الوری مرحوم (۲) مولانا رکن الدین الوری نقشبندی (۳) مولانا محمد اسلم جلال آبادی (۴) مولانا عبدالحق ولایتی (۵) مولانا عبدالرحمٰن ولایتی (۶) مولانا عبدالرحمٰن ولایتی (۷) مولانا سید فضل شاہ (پنجاب) (۸) مولانا محی الاسلام بہاولپوری (۹) مولانا عبدالقیوم ہزاروی (۱۰) مولانا سید منور علی شاہ (۱۱) مولانا محمد رمضان بلوچستانی (۱۲) مولانا غلام محی الدین کاغانی (۱۳) مولانا محمد رمضان لسبیلہ، سندھ (۱۴) مولانا شفیق الرحمٰن پشاور (۱۵) مولانا فضل حسین، معین الدین پور، گجرات (۱۶) مولانا عبدالعزیز، الگوں (۱۷) مولانا زیندالدین الوری (۱۸) مولانا عبدالقیوم الوری (۱۹) مولانا عبدالرحیم الوری (۲۰) مولانا عبدالجلیل جالندھری (۲۱) مولانا محمد غوث ملتانی (۲۲) مولانا محمد مہرالدین شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور (۲۳) مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور (۲۴) مولانا عبدالعزیز بورے والا۔

آپ نے محققانہ تصانیف کا ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے، بعض تصانیف کے نام یہ ہیں: (۱) تفسیر میزان الادیان (مقدمہ و تفسیر سورۂ فاتحہ) (۲) ہدایۃ الغوی در ردِّ روافض (۳) اصول الکلام (۴) تحقیق المسائل (یہ کتاب مولوی رشید احمد گنگوہی سے بعض فقہی مسائل کے سلسلے میں خط و کتابت کا مجموعہ ہے جن میں گنگوہی صاحب عاجز آگئے تھے) (۵) ہدایۃ الطریق (۶) سلوکِ قادریہ (۷) علاماتِ وہابیہ (۸) فضائلِ رمضان (۹) فضائلِ شعبان (۱۰) الاستغاثہ من اولیاء اللہ عین الاستغاثہ من اللہ (۱۱) دیوان دیدار علی فارسی (۱۲) دیوان دیدار علی اُردو۔

۲۲/رجب المرجب ۱۳۵۴ھ/ ۲۰/اکتوبر ۱۹۳۵ء کو اپنے رب کریم کے دربار میں حاضر ہوئے اور جامع مسجد اندرون دہلی دروازہ لاہور میں دفن ہوئے۔ مولانا ابوالحسنات رحمۃ اللہ تعالیٰ نے قطعہ تاریخِ وصال کہا جس کا تاریخی شعر یہ ہے:

حافظ پسِ سرکوئی اعدائے شریعت
''دیدار علی یافتہ دیدارِ علی را''

ھ ۱ ۳ ۵ ۴

(ماخوذ: تذکرہ علمائے اہلِ سنت پاکستان، مطبوعہ لاہور)

❑❑

عبدالباسط

قادیانیت: خطرہ، جائزہ، تجاویز

فتنۂ قادیانیت اسلامیانِ ہند کے لیے ایک اہم فتنہ ہے، جو مسلمانوں کو ارتداد کے چنگل میں گرفتار کرنے کے لیے تحریک کی شکل میں اُنیسویں صدی کے نصف اخیر میں وجود میں آیا۔ یہ وہ جماعت ہے جس کے کفر وارتداد پر امتِ مسلمہ کا اتفاق ہے۔ قلیل تعداد میں ہوتے ہوئے یہ تنظیمی طور پر بہت ہی مضبوط ہے۔ مسلمانوں کے اجتماعی عقیدہ ''ختم نبوت'' کے خلاف اسلام دشمن طاقتوں کے رحم وکرم اور مالی تعاون سے اس کا وجود ہوا اور گرداس پور، پنجاب، انڈیا کے چھوٹے سے قصبے سے اس کا آغاز ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس فتنے کا سیلاب استعماری قوتوں کی مدد سے کئی ممالک میں پہنچ گیا۔ ۱۹۷۶ء میں ''تحریکِ تحفظِ ختم نبوت'' کی مساعی جمیلہ سے پاکستان اسمبلی میں اس فرقہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ چنانچہ اس کے بعد بہت حد تک اس فتنے کے اثرات کم ہوگئے تھے، لیکن اِدھر کچھ سالوں سے یہ ارتدادی فتنہ پھر سے سر اُبھار رہا ہے۔ چھوٹے بڑے قصبات وعلاقے میں یہ فتنہ اپنی چالبازی سے اپنا چنگل گاڑنے میں مصروف ہے۔ چنانچہ اس فتنہ سے تحفظ کے لیے سال ۲۰۱۳ء کو ادارہ ماہِ نور تحفظ ختم نبوت کے طور پر منا رہا ہے۔ پیش نظر مضمون تفہیم ''ختم نبوت'' کے باب میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ (ارشاد عالم نعمانی)

7 ستمبر 1974ء کے قومی اسمبلی کے تاریخی فیصلے کے بعد گزشتہ 14 سالوں میں قادیانی تحریک کن مراحل سے گزری اور اس آئینی ترمیم اور 1984ء میں نافذ کیے گئے صدارتی آرڈی نینس کے بعد قادیانیت کن سازشوں میں ملوث ہے۔ یہ ایسے امور ہیں جن کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ اس جائزے کی نوعیت اگرچہ اجمالی ہے۔ لیکن ہم بعض ایسے امور کی نشاندہی کریں گے جن کی طرف اس وقت توجہ دینا از حد اہم ہے۔

قادیانی تحریک جس کی ابتدا 1880ء کے اوائل میں ہوئی۔ برصغیر کی ایک ایسی تحریک تھی جس نے پاک و ہند کے سیاسی اور مذہبی ماحول میں ایک مخصوص کردار ادا کیا۔ اس تحریک کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی نے 1880ء سے لے کر اپنی وفات 1908ء کے عرصے میں تحریک کو سیاست پر مبنی ایسا مذہبی رنگ دیا جو قدرے تبدیلی کے ساتھ اُس کے جانشینوں نے اپنائے رکھا اور انہی اعتقادات اور ہدایات کو آج کے قادیانی اپنائے ہوئے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی ایک عام شخص تھا جو نہ تو ذہنی طور پر کسی اعلیٰ صلاحیت کا مالک تھا اور نہ اس میں کوئی فکری انقلاب پیدا کرنے کی اہلیت تھی۔ قادیان کے دیہاتی ماحول میں اس نے آنکھ کھولی۔ باپ کی مسلمانوں سے غداری اور بھائی کی سکھوں اور انگریزوں سے وفاداری کو بنظر غائر دیکھا اور پھر اپنی محرومیوں اور مسلسل پریشانیوں کے ازالے کے لیے کوئی ایسی راہ اختیار کرنے کی ٹھانی جس سے اس کی خاندانی وجاہت قائم رہے۔ اس کے لیے ایمان فروشی اور انگریز کی غلامانہ تابعداری ترقی کا زینہ تھی۔ اس کے سوا اسے کوئی راہ سجھائی نہ دی۔ رفتہ رفتہ وہ دین فروشی کے دھندے کا امام بن گیا۔ مسلسل بیماریوں کا شکار آدمی جو ہسٹریا، مراق، ذیابیطس، مرگی، کثرت بول، اسہال وغیرہ جیسے امراض میں مبتلا ہو، اس کے ذہنی قویٰ اور نفسیاتی احوال وافکار کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ اس کے الہامات، پیش گوئیاں، دعاوی اور دیگر واقعات تحریک کے خدوخال کی وضاحت کے لیے کافی ہیں۔ البتہ اس کاروبار میں مرزا قادیانی نے ایک تو اپنے لیے عمدہ زندگی گزارنے کی راہ نکالی۔ دوسرے انگریز کی سیاسی خدمت کرکے جماعتی تنظیم بنائی اور ایک الگ امت کی نیو اٹھائی۔

مرزا قادیانی نے انگریزی سامراج کی زبردست حمایت کی۔ جہاد کو جس سے مراد انگریز کے خلاف بغاوت وتشدد پسندانہ تحریکات تھیں، منسوخ کر دیا۔ دنیا کے ان تمام ممالک میں جہاں مسلمان انگریزوں کے خلاف جہاد کے نام پر سیاسی تحریکیں چلا رہے تھے، اپنا لٹریچر روانہ کرکے ان کو انگریز کی غلامی کا درس دیا۔ یہود کی استعماری تحریک صیہونیت کے لیے سیاسی خدمات انجام دیں اور اپنے دعاوی (مجدد، مہدی، مسیح موعود، محدث، نبی، کرشن، اوتار) کی بھول بھلیوں میں اُلجھا کر نامور علما اور حریت پسند افراد کو انگریز کی مخالفت سے ہٹا کر اپنی طرف متوجہ کرلیا اور ان کی سامراج، دشمن تحریکوں کا رخ مرزائیت کی طرف موڑ کر ان کی فعال اور حریت پسندانہ توانائیوں کو برباد کیا۔

یہ حقیقت پوری طرح آشکار ہو چکی ہے کہ مرزا قادیانی نے انگریز آقاؤں کے اشارے پر نبوت کا دعویٰ کیا۔ یہودی تخریب کاروں کی حمایت سے آگے بڑھا اور اسلام دشمن طاقتوں کی شہ پر دیگر ممالک میں پھلا پھولا۔ برطانوی ہند کے علاقے پنجاب میں جو کہ انگریز کی وفاداری اور فوجی بھرتی کے لیے مشہور تھا۔ ایک ایسی تحریک کا وجود بہت بڑی سیاسی اہمیت کا حامل تھا۔ جس کے نتیجے میں مختلف طبقوں اور مذاہب میں مسلسل تصادم ہو۔ ہر اقلیتی فرقہ یا گروہ اپنے زندہ رہنے کے لیے انگریز کی طرف دیکھے اور اس کی رواداری کو اپنی بقا کی ضمانت جانے۔ اس تحریک سے یہ مقصد حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ انگریز کو یہ بھی معلوم ہو رہا تھا کہ قادیان کا یہ مجہول مدعی اسلام کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہا ہے۔ اسلامیان ہند کو خوگر غلامی کر رہا ہے۔ اسلامی فکر کے احیاء کی راہ میں رکاوٹیں ڈال رہا ہے۔ اور ایک ایسی جماعت تیار کر رہا ہے جو

مستقبل میں اُن کے اقتدار کے لیے ڈھال بنے گی۔ یہی وجہ ہے کہ برطانوی انٹیلی جنس نے ہر سطح پر قادیانیت کی آبیاری کی اور اس خود کاشتہ پودے کو بڑھنے پھولنے کے مواقع بہم پہنچائے۔

قادیانیت کے دام ہم رنگ زمین میں جو لوگ پھنسے ان میں زیادہ تعداد پنجاب کے لوگوں کی تھی اور ان میں نچلے طبقے کے لوگ زیادہ تھے۔ جو انگریز کے دور حکومت میں معاشرتی ترقی اور اعلیٰ عہدے حاصل کرنے کے خواہاں تھے۔ اس میں ہمیں عدالتی نظام سے وابستہ چھوٹے اہل کار منشی، نائب کورٹ، محرر، اہلمد وغیرہ نظر آتے ہیں۔ پنجاب اور برطانوی ہند کے دور کے محکموں مثلاً محکمہ نہر، ریلوے، پوسٹ آفس وغیرہ کے بابو اور کلرک بھی اس تحریک سے وابستہ ہوئے۔ چونکہ انگریز کی زبردست حمایت اور مدح و توصیف مرزا قادیانی کا ایمان تھا۔ اس لیے استحصالی طبقوں کے لوگ جیسے جاگیردار، انگریز کے مقرر کردہ اہل کار، سفید پوش، نمبردار، ضلع دار وغیرہ بھی اس تحریک کو اپنے اقتدار کے تحفظ کا ذریعہ سمجھتے تھے اور بظاہر جماعت میں شامل نہ ہونے کے باوجود قادیانیت نواز تھے۔ کئی لوگ محض اس لیے قادیانی بن گئے کہ انہیں انگریز کی نوکری کی ضرورت تھی۔ وہ درخواست میں اپنی اس وفاداری کا ذکر کرکے دل سے نہ سہی مجبوری کے تحت قادیانی بن جاتے تھے۔ زیادہ پڑھے لکھے لوگ تحریک سے دور رہے۔ صرف خواجہ کمال الدین وکیل، مولوی محمد علی ایم اے وکیل اور دو چار اور آدمیوں کے نام ملتے ہیں جو انگریزی تعلیم سے آراستہ تھے اور کسی مخصوص مقصد یا سرکار کے اشارے پر مرزا قادیانی کی حوصلہ افزائی اور خدمت کے لیے مقرر تھے۔ ایسے ہی بعض گروہوں کے نفس پرست مولوی قادیانی بنے۔ ایک قلیل تعداد ایسے جوانوں کی تھی جو دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر قادیانی بن گئے۔ ان میں سے بعض ''عاشقان پاک طینت'' اسلام کی آغوش میں واپس بھی آئے۔ ہندوؤں، سکھوں عیسائیوں وغیرہ سے اکادکا لوگ مرزائی ہوئے۔ 1901ء قادیانیوں کی تعداد چند ہزار سے تجاوز نہ کرسکی۔ پنجاب میں یہ تعداد 3450 تھی اور یو۔ پی میں 931 تھی۔

1908ء میں مرزا کے مرنے کے بعد چھ سال تک حکیم نورالدین نے قادیان کی گدی پر بیٹھ کر اپنی آمریت کا سکہ چلایا۔ نورالدین برطانوی انٹیلی جنس کا کارندہ تھا اور سیاسی جوڑ توڑ کے باعث کشمیر سے نکالا گیا تھا۔ اس نے مرزا کی سیاسی پالیسی کو آگے بڑھانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اس کے کفر و ارتداد کو پھیلانے میں کوئی کمی نہ چھوڑی ابتدا میں یہ شخص نیچری اور نیم ملحد تھا۔

1914ء میں نورالدین کے مرنے کے بعد یہ سیاسی طائفہ باہمی چپقلش کا شکار ہوگیا۔ لاہوری جماعت خواجہ کمال الدین اور مولوی محمد علی کی سربراہی میں پروان چڑھنے لگی۔ اور مرزا قادیانی کی گدی مرزا کے بیٹے مرزا محمود کے قبضے میں آگئی۔ قادیانیت کی ترقی کا اصل دور مرزا محمود کے زمانے سے شروع ہوا۔ مرزا محمود کو ابتدائی دس سالوں تک محض مسیح موعود کے فرزند کے طور پر گدی پر بٹھایا گیا۔ حقیقی اقتدار پر اس گروپ کا قبضہ رہا، جس میں مرزا محمود کے نانا ناصر نواب، ماموں میر اسحاق اور انصار اللہ پارٹی کے بعض ممبر تھے۔ ان لوگوں کے انگریز لیفٹیننٹ گورنر پنجاب اور دیگر برطانوی حکام سے قریبی روابط تھے۔ پہلی جنگ عظیم کے خاتمے پر تحریک خلافت کے زمانے میں مرزا محمود نے اپنی ''کونسل آف ایجنسی'' سے نجات حاصل کرکے بذات خود حکومت سنبھال لی۔ خاص طور پر 1924ء کی لندن یاترا کے بعد مرزا محمود اپنی اور جماعت کی سیاسی اہمیت سے پوری طرح آگاہ ہو چکا تھا اور انگریز کی سیاسی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ہر وقت مستعد رہتا تھا۔

مرزا محمود مڈل فیل تھا۔ بیماریوں کا شکار اور احساس برتری کا مریض تھا۔ اس کے علاوہ بچپن ہی سے جنسی بداعتدالیوں کا شکار تھا۔ اس نے ایک تو اپنے اور اپنے خاندان کی دنیاوی خواہشات کے لیے ہر ممکن ذرائع سے دولت سمیٹی۔ دوسرے اپنے باپ کی پالیسی کے مطابق انگریز کی خدمت میں اپنی اور اپنی جماعت کی بقا سمجھی۔ اس نے 1914ء سے قبل (کانپور مسجد) اور اس کے بعد انگریز کے خلاف اٹھنے والی تحریک کو سبوتاژ کرنے کے لیے اپنے وسائل اور عقیدت مندوں کی توانائیاں استعمال کیں۔ تحریک ہجرت، خلافت، عدم تعاون، سائمن کمیشن، گول میز کانفرنس، نہرو رپورٹ، 1935ء کے آئین کے تحت ہونے والے انتخابات، مطالبۂ پاکستان، غرضیکہ آزادی کے ہر موڑ پر انہوں نے برطانوی سامراج کی حمایت اور مسلمانوں کے مطالبۂ حریت کے خلاف کام کیا۔ قادیانیت نے علمائے حق کے خلاف بدزبانی کی، منافرت اور کشیدگی پھیلا کر انگریز کی ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی پالیسی کو استحکام بخشا۔ دنیا کے ان تمام علاقوں میں جہاں برطانیہ نے نو آبادیاں قائم کر رکھی تھیں۔ وہاں اپنے جاسوس بھیجے اور برطانوی سامراج کے خلاف اٹھنے والی تحریکوں کو جاسوس مبلغوں کے ذریعے ناکام کرایا۔

مرزا محمود مسلمانوں کی تکفیر کا زبردست داعی تھا۔ اس نے اپنے باپ کی طرح ملت اسلامیہ کو کفر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا۔ ان کے بچوں کے جنازے پڑھنے کو ممنوع قرار دیا۔ رشتہ ناطہ کی ممانعت کردی۔ مسلمانوں کے پیچھے نماز حرام قرار دی اور مرزا قادیانی کی تحریرات کو بنیاد اور اس کے الہامات کے بل بوتے پر قادیانیت کو ایسی تحریک کے رنگ میں پیش کیا جس کا اپنا ایک 'اصلی اور مکمل' نبی اور رسول تھا۔ ارض حرم تھی، مدینۃ النبی تھا، خاندان نبوت،

صحابی وصحابیات تھیں۔ کتاب مقدس تھی۔ بہشتی مقبرہ تھا۔ اور وہ تمام چیزیں اس کے پاس موجود تھیں جس سے ایک امت تشکیل پاتی ہے۔

مرزا محمود کے دور میں انگریز کے ادنیٰ خدمت گاروں، ایمان فروش اور جاہ وطلب مولویوں اور برطانوی جاسوسوں کی ایک کھیپ پروان چڑھی۔ جماعتی فنڈ میں برطانوی اور یہودی ذرائع سے پیسہ آیا اور جماعت کی سیاست سے دلچسپی کے باعث ''قادیان'' سامراج کا پولیٹیکل سنٹر بن گیا قادیانیت مذہبی لحاظ سے انگریز کی ایسی ایجنسی تھی، جس کا کام تمام گندے امور (Dirty Tricks) کی انجام دہی تھا۔ ضمیر فروش مولویوں کی جو کھیپ قادیانیت سے وابستہ تھی۔ اس کا کام مناظروں میں حصہ لینا، روایتی بدزبانی اور بدکلامی کر کے طبقاتی انتشار پھیلانا اور مذہبی تحریکوں کی آڑ میں انگریز کی سیاسی خدمت انجام دینا تھا۔ ان مرزائی گماشتوں میں حافظ روشن علی، میر قاسم علی، جلال الدین شمس، اللہ دتہ جالندھری، غلام رسول راجیکی جیسے عاقبت نا اندیش لوگ شامل تھے۔ ان میں سے شمس اور جالندھری فلسطین میں مبلغ کے روپ میں یہودیت کی خدمت میں مصروف رہے۔

اگرچہ مرزا محمود خود انگریز افسران کو خطوط لکھتا رہتا تھا اور ان کی ہدایات حاصل کرتا تھا۔ لیکن پنجاب میں سر فضل حسین کے عروج اور ان کے قادیانیوں اور ظفر اللہ کے ساتھ تعلقات کے بعد سر ظفر اللہ، انگریز اور قادیانی سربراہ کے درمیان ایک رابطہ کی صورت اختیار کر گیا۔ سر ظفر اللہ برطانوی سامراج کا نہایت وفادار خادم تھا۔ اس نے وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر اور عدالت عالیہ ہند کی ججی کے زمانے میں ہر سطح پر انگریز کی خدمت کو ایمان کا جزو سمجھا اور کسی مرحلے پر بھی تحریک آزادی ہند اور مسلمانوں کے سیاسی مفاد کے لیے آواز بلند نہ کی۔

مطالبہ پاکستان یا تحریک پاکستان میں قادیانیوں کا کردار قطعاً منفی تھا۔ شاطر سیاست مرزا محمود نے نہایت عیاری کے ساتھ 1946ء کے انتخابات میں مکروہ کردار ادا کیا۔ مسلم لیگ کی حمایت کا ڈھونگ رچا کر قادیانیوں نے یونی نسٹ آزاد اور زمیندار لیگ کے پنجاب کی صوبائی اسمبلی کے امیدواروں کی بھرپور حمایت کی۔ کیونکہ محض اسی صوبے میں وہ کسی حد تک سیاسی کردار ادا کرنے کے اہل تھے۔

پاکستان بننے کے بعد مرزا محمود نے جو کچھ کیا وہ کوئی پوشیدہ امر نہیں رہا۔ جنگ کشمیر 1947ء اور پاک بھارت 1965ء کی سازشیں، بلوچستان کو قادیانی صوبہ بنانے کے عزائم، جارحیت پر مبنی ارتدادی تبلیغ، سیاسی، مذہبی، اقتصادی و فوجی اداروں اور سول محکموں میں اثر و نفوذ کی خفیہ کاروائیاں، انتشار و افتراق پھیلانے والے لٹریچر کی تیاری اور تقسیم سمیت صوبائی و علاقائی فتنوں کی آبیاری بعض ایسے امور ہیں جو محتاج تعارف نہیں۔ سر ظفر اللہ نے وزیر خارجہ کی حیثیت سے ہماری خارجہ پالیسی کے ایسے خدوخال مرتب کیے جن کے باعث پاکستان سامراجی طاقتوں کا حاشیہ بردار بن گیا اور اسلامی بلاک سے کٹ کر رہ گیا۔

نومبر 1965ء میں جب مرزا محمود واصل جہنم ہوا تو قادیانی جماعت کی تعداد میں کافی اضافہ ہو چکا تھا۔ یہ اضافہ قادیانی مبالغہ آرائی کے لحاظ سے ہزاروں میں تھا اور جماعت کے اراکین کی تعداد پچاس لاکھ جو صریح جھوٹ ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک تو پہلے سے مرتدین کی ذریت کے باعث ہوا اور دوسرے لاہوری جماعت کے کہنے کے مطابق نوکری اور چھوکری کے طلب گاروں نے جماعت میں شمولیت اختیار کی۔ جماعت کے چندوں میں نا معلوم اور معلوم ذرائع سے اضافہ ہوا اور یورپی ممالک میں نئے مشن قائم کیے گئے۔ مرتد اعظم سر ظفر اللہ نے قادیانیت کی ترقی میں کافی مدد دی۔

مرزا ناصر احمد نے 1965ء سے 1982ء تک ربوہ کے راج بھون پر قبضہ کیے رکھا۔ اس کے بارے میں بھی بہت سی رنگین داستانیں مشہور ہیں۔ جن کے بیان کا یہاں موقع نہیں۔ مرزا ناصر نے اسرائیل میں قائم قادیانی مشن کو مضبوط بنانے کی پوری کوشش کی اور 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد صیہونی اشارے پر مشرق وسطیٰ میں سازشوں کے جال بچھائے، افریقہ میں قادیانی مشنوں کو برطانوی اور امریکی سامراج کی بھرپور حمایت حاصل رہی جس کے باعث کئی افریقی غربت و پسماندگی کے ازالے کے لیے قادیانیت کی آغوش میں چلے گئے۔ گولڈ کوسٹ، سیرالیون، نائیجریا، جنوبی افریقہ وغیرہ قادیانی ارتدادی تبلیغ کی آماجگاہ بن گئے۔

پاکستان کی شکست و ریخت اور علاقائی اور لسانی عصبیتوں کو ہوا دینے میں قادیانی ہمیشہ سے پیش پیش تھے۔ ایوب خان کی مربیت کے خاتمے کے بعد انہوں نے نئے سیاسی مربیوں کے حصول کے لیے دوڑ دھوپ شروع کی۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں گھناؤنے کردار کے بعد بھٹو حکومت میں اچھے عہدے حاصل کیے۔ لیکن اسلامی سربراہی کانفرنس 1974ء کے بعد ان کی سازشیں منظر عام پر آنے لگیں۔ 7 ستمبر 1974ء ان کا یوم احتساب بنا اور بعد کے چند سال قادیانیت کی اصلیت کو بے نقاب کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوئے۔

اسرائیل، مغرب کی سامراجی طاقتیں اور ان کے حاشیہ نشین قادیانیت کی افریقہ، مشرق وسطیٰ اور یورپ میں ترقی کے خواہاں رہے اور پاکستان میں علمائے اسلام اس دشمن استعمار نواز اور ارتداد پر مبنی اس تحریک کا محاسبہ کرنے میں سرگرم عمل رہے۔ جولائی 1978ء میں مرزا ناصر احمد سویڈن، ڈنمارک، مغربی جرمنی اور لندن کے دوروں کے بعد اکتوبر میں ربوہ آیا۔ استعماری طاقتوں نے ان کی خوب پذیرائی کی اور مالی وسائل کی فراہمی کے وعدے کیے

گئے۔لندن میں جماعت کا اکاؤنٹ جلد ہی لاکھوں پونڈ تک پہنچ گیا۔

اسرائیل کے قادیانی مشن نے مشرق وسطیٰ میں کذاب قادیان کا لٹریچر عربی زبان میں تیار کر کے مشاہیر کے نام روانہ کیا اور بعض لائبریریوں میں رکھوایا۔مرزا ناصر نے اپنے جاسوس مبلغ لبنان میں تعینات کیے۔ایران میں شہنشاہیت کے خاتمے اور بہائیت کے خلاف ایرانی حکومت کی مہم کے بعد قادیانیوں نے بہائیوں کے ساتھ خفیہ معاہدہ کیا۔1980ء میں مراز ناصر نے امریکہ کے دورے کے دوران بہائی رہنماؤں سے ملاقات کی اور باہمی یگانگت کے معاہدے کیے۔جون 1982ء میں مرزا ناصر واصل جہنم ہوا۔

مرزا طاہر احمد قادیانی جماعت کا چوتھا سربراہ بنا۔اپنے بھائی رفیع احمد کو پچھاڑ کر ربوے کی گدی پر بیٹھ گیا۔اس نے اپنے حواریوں کی مدد سے جن میں سر ظفر اللہ پیش پیش تھا۔انتہائی درجہ کی غنڈہ گردی کے بعد کامیابی حاصل کی۔یہ اسی قسم کی غنڈہ گردی تھی جو اس کے باپ مرزا محمود نے 1916ء میں قادیان میں انصار اللہ پارٹی کی مدد سے کی تھی۔مرزا رفیع احمد کے حواری الزام لگاتے ہیں کہ مرزا طاہر غاصب، بزدل اور سیاسی جوڑ توڑ کا ماہر ہونے کے باعث تخت خلافت چھین لے گیا۔بہر حال قادیانیت کے نئے سربراہ نے 1982ء سے 1984ء تک اپنے اقتدار کو مضبوط بنانے اور استعماری اڈے بشارت معبد کے قیام کے علاوہ کوئی نمایاں کام نہ کیا۔1984ء میں صدارتی آرڈیننس کے اجراء کے بعد مرزا طاہر خفیہ طور پر ہماری غفلت کے باعث برقعہ پہن کر لندن بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔کہا جاتا ہے کہ بیرونی خفیہ ایجنسیوں کے بعض اراکین نے اس کو ''پیش آمدہ خطرات'' سے آگاہ کر دیا تھا۔قادیانیوں کو ڈر تھا کہ حکومت مرزا طاہر کو تخریبی کاروائیوں کے الزام، اسلم قریشی کیس اور صدارتی آرڈی نینس 1984ء کی خلاف ورزی کرنے کے جرم میں گرفتار کرنے کی تیاری کر رہی تھی۔جس کا ان کو بعض بیوروکریٹس اور پولیس اہل کاروں سے علم ہو گیا اور مرزا طاہر لندن جا کر ایک تو جماعت اور خلافت کو بچا لے گیا۔دوسرے اپنا تحفظ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔قادیانی خدشات کچھ بھی ہوں لیکن یہ بات افسوس ناک ہے کہ مرزا طاہر دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گیا۔جس طیارے میں مرزا طاہر سوار ہونے والا تھا اس کے پائیلٹ نے اس کو اپنے ساتھ لے جا کر KLM کے جہاز میں سوار کرایا۔اتفاق سے اسی طیارے میں مصطفیٰ گوکل صاحب سابق وزیر جہاز رانی سفر کر تے تھے۔انہوں نے اسلام آباد،لندن سے فون کیا تو معلوم ہوا کہ مرزا طاہر اپنے برطانوی آقاؤں کے پاس پہنچ گیا ہے۔اوران کے چرنوں میں بیٹھ گیا ہے۔ربوے کے پالتو مبلغ اس کو ''نشان'' قرار دینے لگے۔

مرزا طاہر نے لندن میں جعلی نبوت کے نام پر جو کاروبار شروع کیا ہے اس کے گزشتہ تین سال کی ایک جھلک پیش کی جاتی ہے۔

اس نے لندن کو اپنا مستقل اڈا بنانے کے بعد چیدہ چیدہ قادیانی مبلغوں کو لندن بلایا۔اسرائیل سے جلال الدین قمر، کلکتہ سے مولوی امینی، قادیان سے وسیم احمد وغیرہ نے اس میٹنگ میں شرکت کی، ان مبلغوں کو ہدایات دی گئیں کہ وہ صدارتی آرڈی نینس کے خلاف پروپیگنڈا مہم چلائیں۔پاکستان کی فوجی حکومت کو بدنام کریں اور قادیانیت سے ہمدردی رکھنے والے لوگوں اور پریس سے رابطہ بڑھائیں۔پاکستان میں قادیانیت کو جن مسائل کا سامنا تھا۔ان کے لیے ایک الگ لائحہ عمل تیار کیا گیا۔جس میں سیکولر اور اشتراکیوں کی اعانت سے آرڈی نینس کے خلاف رائے عامہ کو تیار کرنا، طلباء اور وکلاء کی تنظیموں سے ساز باز کرنا اور جعلی تنظیموں کے نام سے مختلف طبقوں کے خلاف نفرت پیدا کرنا شامل تھا۔لسانی، گروہی، طبقاتی اور علاقائی عصبیتوں کو ہوا دینے میں بھی قادیانی عناصر پیش پیش ہیں اور نہایت خفیہ اور منظّم طریقے سے ملک کی سالمیت کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔علمائے کرام سے عرض ہے کہ وہ ان کی سازشوں کو سمجھیں اور عوام کو باہمی اتحاد و یک جہتی کا درس دیں۔

مرزا طاہر نے بین الاقوامی جاسوسی اداروں سے معقول مالی امداد حاصل کی اور ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے میں وہ کافی حد تک کامیاب رہا۔اسرائیلی انٹیلی جنس موساد (Mossad)، امریکی سی۔آئی۔اے، برطانوی ایم آئی فائیو (MI-5) جرمن اور ڈچ سیکرٹ سروس قادیانیت کو مالی ذرائع مہیا کرنے میں پیش پیش ہیں۔1982ء میں بیرونی مشنوں سے قادیانیوں کو سات کروڑ بارہ لاکھ روپے حاصل ہوئے۔1987ء میں یہ رقم 18 کروڑ چھتیس لاکھ تک پہنچ گئی جو اڑھائی گنا سے زیادہ اضافہ ہے۔یہ رقم کہاں سے آئی اور ایک دم اس میں اتنا اضافہ کیسے ہوا؟ ابھی تو یہ وہ اعداد و شمار ہیں جو قادیانیوں نے خود شائع کیے ہیں۔درپردہ کہانی کچھ اور ہو گی۔

پاکستان میں 1982ء میں قادیانی چندوں کی مقدار ایک کروڑ ستاون لاکھ روپے تھی۔جو 1987ء میں سات کروڑ بارہ لاکھ روپے ہو گئی ہے۔یہ سات گنا اضافہ کہاں سے ہوا ہے۔اس کے علاوہ مختلف تحریکوں سے حاصل ہونے والے قادیانی چندے جو 1982ء میں 9 کروڑ تھے۔اب 21 کروڑ 90 لاکھ تک پہنچ چکے تھے۔دیگر تحریکوں کے چندوں سے 10 کروڑ 3 لاکھ روپے ان سے علاوہ ہیں۔

کیا حکومت پاکستان قادیانیوں کے ان چندوں کے بارے میں معلوم نہیں کر سکتی کہ یہ کہاں سے آ رہے ہیں؟ اور وہ کون سے ایسے قادیانی امراو

صنعت کار ہیں جو ہزاروں روپے جماعت کو دے رہے ہیں۔ پاکستان کے آڈیٹر جنرل آف پاکستان ریونیو AGPR کو فوری طور پر قادیانی فنڈز منجمد کر کے اس کی مکمل پڑتال کرنی چاہیے اور قادیانیوں کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنے حسابات اے۔جی (A.G) آفس کو پیش کریں اور ان کو شائع کیا جائے۔ اگر سیاسی جماعتوں کے فنڈز کی تحقیقات کی جا سکتی ہیں تو مذہب کے نام پر چلنے والے اس یہودنواز سیاسی تنظیم کے خفیہ مالی ذرائع کی تحقیق کیوں نہیں کی جا سکتی؟ یہ شبہ بھی کیا جاتا ہے کہ امریکہ کے پی ایل 480 کے تحت جمع پاکستانی بیلنس سے قادیانیوں کو روپیہ دیا جاتا ہے۔

قادیانی جماعت کے مرکزی مبلغین دنیا بھر کے ممالک میں قادیانیت کی ترویج اور سیاسی پخت وپز میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کی کل تعداد 182 ہے۔ یہ مبلغ ربوہ سے تیار ہو کر باہر جاتے ہیں۔ افریقہ میں ان کی سب سے زیادہ کھپت ہے۔ جہاں اسکیم کے تحت قائم قادیانی ہسپتالوں میں جماعت کو سوا آٹھ کروڑ روپے سالانہ کی آمدنی ہے۔ 31 قادیانی سکول ہائیر سیکنڈری تعلیم دے رہے ہیں۔ اور سو پرائمری سکول افریقی بچوں کے ذہنوں کو زہرآلود کر رہے ہیں۔

برطانیہ نے اپنے پرانے سیاسی خادموں کو بڑھنے پھولنے کے مواقع بہم پہنچانے کے لیے ٹل فورڈ (Tillford) کے علاقے میں کئی ایکڑ زمین پر مشتمل اراضی الاٹ کر دی ہے۔ وہاں قادیانی مرکز ''اسلام آباد'' قائم ہو گیا ہے۔ یہ زمین ان کو کوڑیوں کے مول دی گئی ہے۔ مرزا طاہر نے قادیانیت کی تبلیغ کے لیے ہزاروں کی تعداد میں کیسٹ تیار کرائے ہیں۔ ان کی اپنی تقریروں کے کیسٹ اور ویڈیو فلم پاکستان اور دنیا کے دیگر ممالک میں تقسیم کی جا رہی ہیں۔ صرف سالوں میں 2720 کیسٹ دنیا کی 18 زبانوں میں تیار کرا کے قادیانی مشنوں کو مہیا کر رہے ہیں جو ارتداد کی تبلیغ کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ اتنا قادیانی لٹریچر تیار کیا گیا ہے جو قادیانیوں کے بقول دس سال میں بھی تیار نہ ہوا تھا۔ یہ تمام امور قادیانیت کے مستقبل کے جارحانہ عزائم کی نشاندہی کرنے کے لیے کافی ہیں۔

قادیانیوں کی ارتدادی مہم کا سب سے شرمناک پہلو عرب ممالک میں کیسٹ اور لٹریچر کی ترسیل ہے۔ قادیانی اسرائیل امداد سے عرب مسلمانوں میں اپنا اثر ونفوذ بڑھانے میں کوشاں ہیں۔ قادیانی جریدہ سویز کراچی 1986ء، 1987ء میں لکھتا ہے کہ:

''حضرت امام جماعت احمدیہ نے عربوں کی طرف تبلیغ کے لیے جماعت کو خصوصی توجہ دلائی۔ با قاعدہ فارم کے لحاظ سے اب تک بانوے عرب جماعت احمدیہ میں شامل ہو چکے ہیں۔ لیکن حضرت امام احمدیہ نے فرمایا کہ میرے ذاتی علم کے لحاظ سے ان کی تعداد سو سے تجاوز کر چکی ہے۔''

عربوں کو مرزا غلام احمد کی لعنتی تحریک میں شامل کر کے ان کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنا بہت بڑی جسارت ہے۔ عرب ممالک کو اس خطرے کی طرف فوری توجہ دینا چاہیے۔ اور قادیانیت کے دام تزویر میں پھنسنے والوں کو صحیح صورت حال سے آگاہ کرنا چاہیے یہ عرب لازمی طور پر زر، زن یا زمین کے چکر میں متاع دین لٹا چکے ہوں گے۔ ان کی وجہ سے مزید گمراہی پھیل سکتی ہے۔

مغربی ممالک اور امریکہ اپنے آپ کو آزاد دنیا قرار دیتے ہیں۔ یہاں کے لوگوں کو آزادی، سیکولرازم اور انسانی حقوق کا علمبردار کہا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ اصطلاحات اپنی کوئی مستقل حیثیت نہیں رکھتیں اور مغربی ادارے اپنی مرضی کے مطابق ان کا استعمال کرتے رہتے ہیں۔ اسرائیل کے صیہونی اگر فلسطین کے حریت پسندوں کو ہلاک کریں اور ان پر مظالم کے پہاڑ توڑیں تو نہ تو انسانی حقوق کو کوئی خطرہ لاحق ہوتا ہے اور نہ ہی اسے ظلم گردانا جاتا ہے۔ مغرب میں رنگ ونسل کی تمیز اور جنوبی افریقہ کی نسل پرستی کی حمایت وغیرہ ان اصطلاحات کی زد میں نہیں آتے۔ مرزا طاہر اور اس کے حواری پاکستان میں قادیانیوں کو درپیش آنے والے واقعات کو بڑھا چڑھا کر یہودنواز پریس میں اچھالتے ہیں۔ اور یہ تاثر دیتے ہیں کہ پاکستان میں احمدی اقلیت کے انسانی حقوق سلب کیے جا چکے ہیں۔ ان کی عبادت گاہیں بند کی جا رہی ہیں۔ ان کو اپنے عقائد کی ترویج وتشہیر کی اجازت نہیں اور ان سے امتیاز برتا جا رہا ہے۔ ان واقعات کو یک طرفہ طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ قادیانیوں کی طرف سے کی جانے والی کارروائیوں کا کوئی ذکر نہیں کیا جاتا۔

یورپی ممالک اور امریکہ کو چونکہ قادیانیت کی پشت پناہی کرنی ہوتی ہے اس لیے وہ حقوق انسانی کی آڑ لے کر پاکستان پر مختلف نوع کے دباؤ ڈالتے ہیں۔ قادیانی انسانی حقوق کی تنظیم ایمنسٹی انٹرنیشل، انسانی حقوق کے کمیشن (اقوام متحدہ) اور بین الاقوامی پریس میں پاکستان میں کیے جانے والے نام نہاد قادیانی مظالم کو خوب اچھالتے ہیں۔ اور جب ایسی مبالغہ آمیز خبریں شائع ہوتی ہیں تو یہودنواز پریس اپنی حکومتوں پر دباؤ ڈالتا ہے کہ وہ اس ''مظلوم اقلیت'' کا تحفظ کریں۔ کئی قادیانیوں نے اس بنیاد پر بیرون ملک خصوصاً مغربی ممالک جرمنی میں سیاسی پناہ لے رکھی ہے اور کئی مراعات حاصل کیے ہوئے ہیں۔ امریکہ اور یورپ نے قادیانیت کی کھلی حمایت کے لیے انسانی حقوق کے تحفظ کا جو ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ اسی قسم کا ڈھونگ بہائیت کی حمایت میں بھی جاری ہے۔ مغربی پریس بہائیوں کو مظلوم اور ایرانی حکومت کو ظالم قرار دیتا ہے اور ان کے حقوق کے تحفظ کے لیے رائے عامہ کو متاثر اور تیار کرتا ہے۔ بہائی ایران سے

بھاگ کر پاکستان میں اپنے اڈے قائم کر رہے ہیں۔

قادیانیت چونکہ جہاد کی مخالف، سامراج کی حاشیہ بردار، یہودیوں کی پروردہ استعماری ایجنسی ہے۔اس لیے اسلام دشمن طاقتیں اس کی ترقی کو اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے مترادف سمجھتے ہیں جوان کے نزدیک انقلاب کا درس دیتا ہے اور سامراج اور صیہونیت کا دشمن ہے۔قادیانیت کا فروغ اسلامی اقدار پر ضرب لگانے کے ساتھ ساتھ اسلامی بنیاد پرستوں کی سرگرمیوں کو کمزور کر سکتا ہے۔قادیانی تحریک کی بنیاد ایک ایسے نظریے پہ قائم ہے جس میں اسلام کی انقلابی روح کو مکمل ختم کر کے اسے سامراج کی داشتہ بنا دیا گیا ہے۔اس لیے ایسی تحریک، اس ''تشدد پسندانہ'' اسلام کا ایک توڑ تو ثابت ہو سکتی ہے اور مشرق وسطیٰ میں سامراجی اور یہودی مفادات کا تحفظ کر سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام دشمن طاقتیں قادیانیت کی ترقی کے لیے اسے ہر طرح کی مدد بہم پہنچاتی ہیں۔اسی لیے مرزا طاہر کو امریکہ ''اسلام'' پیش کرنے کی دعوت دے رہا ہے۔

یہ تو ایک اجمالی ساخاکہ ہے۔جس سے قادیانیوں کے عزائم اور ان کی گزشتہ پالیسیوں کی نشاندہی ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایک ایسی اسلام مخالف تحریک جس نے گزشتہ صدی میں استعماری اور یہودی مدد سے اتنی بڑی قوت حاصل کر لی ہے اور جس کی پشت پر امریکہ، اسرائیل اور یورپ کا تعاون اور سرمایہ ہے۔اس کے زہریلے اثرات کو زائل کرنے کے لیے اسلامی طاقتیں اور علمائے کرام کیا کوششیں کر رہے ہیں۔ ہمارے خیال میں یہ جس قدر بڑا چیلنج ہے اتنا بڑا مقابلہ نہیں کیا جا رہا۔ ہماری حکمت عملی بعض خامیوں کا شکار ہے۔ان خامیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بعض تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔جن پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ان میں کئی طرح کی ترامیم کی جا سکتی ہیں۔اس لیے اس وقت ان کو ڈرافٹ کے طور پر سمجھا جائے اور مستقبل کے لائحہ عمل کی بنیاد قرار دیا جائے:

(1) قادیانی اپنی تعداد کے بارے میں بہت مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں۔ ان کی مکمل مردم شماری کی جائے اور ان کے شناختی کارڈ اور شہریت (Domiclie) سرٹیفکیٹ میں اس کا اندراج کیا جائے۔

(2) تمام سرکاری اداروں اور دفاعی محکموں میں قادیانیوں کی صحیح تعداد معلوم کی جائے۔اہم اور حساس محکموں میں ان کی بھرتی بند کی جائے اور دیگر محکموں میں ان کا اقلیتی کوٹہ مقرر کر دیا جائے۔

(3) قادیانی پرچوں اور ان کے جرائد و رسائل میں جان بوجھ کر ایسا مواد شائع ہوتا ہے جس سے صدارتی آرڈی نینس کی خلاف ورزی ہو حکومت (پاکستان) پرچہ شائع ہونے کے کئی ماہ بعد اسے ضبط کرتی ہے جو کہ مضحکہ خیز امر ہے۔ ایسے پرچوں کو فوراً ضبط کیا جائے اور پریس کے خلاف تادیبی کاروائی کی جائے۔

(4) حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ پاکستانی مشنوں کو ہدایت جاری کرے کہ وہ قادیانیوں کے گمراہ کن پروپیگنڈے سے وزارت خارجہ کو پورے طور پر آگاہ کریں اور اس کا مؤثر جواب دیں اور یہ جواب پاکستانی پریس میں لازمی طور پر شائع ہو۔

(5) لندن کے پاکستانی سفارت خانے کو مضبوط بنایا جائے تاکہ وہ قادیانی سرگرمیوں سے حکومت کو مطلع کرے اور لندن میں قائم اسلامی مشنوں سے اشتراک پیدا کر کے ان کی حوصلہ افزائی کرے تاکہ وہ اس فتنے کا مؤثر سد باب کر سکیں۔

(6) قادیانیوں کے خفیہ فنڈز کی تحقیقات کی جائے ان کو منجمد کر کے ان کا مکمل آڈٹ کیا جائے اور حساب کتاب کی تفاصیل اے۔جی آفس کے ذریعے حاصل کر کے کتابی صورت میں شائع کی جائیں۔تاکہ اس میں کروڑوں کے اضافے کی حقیقت معلوم ہو سکے۔

(7) قادیانی کتب و رسائل لندن اور بھارت میں چھپ کر پاکستان آ رہے ہیں۔ان کی آمد کو روکا جائے اور کسٹم کے محکمے کو خصوصی ہدایات دی جائیں کہ وہ ان کو ضبط کرے۔

(8) قادیانیت کو ایک سیاسی جماعت قرار دیا جائے۔حقیقت یہی ہے کہ یہ ایک خفیہ سیاسی جماعت ہے۔اس کے بعد ایک سپیشل ٹربیونل قائم کر کے خاص سیاسی نقطہ نظر سے ان کی کاروائیوں کو بے نقاب کیا جائے اور انٹیلی جنس اداروں کو گزشتہ تمام خفیہ رپورٹوں کو ٹربیونل کے ریکارڈ میں شامل کیا جائے۔ سیاسی جماعت قرار پانے کے بعد اس کی مذہب کے پردے میں کی گئی کاروائیاں بے نقاب ہو جائیں گی۔

(9) علمائے کرام، دانشوروں اور صاحب قلم لوگوں پر مشتمل ایک پینل مقرر کیا جائے جو قادیانیت کے متعلق مختلف زبانوں میں لٹریچر تیار کرے یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ دنیا کو جدید تحقیقی انداز میں تیار کیے گئے لٹریچر سے دلچسپی ہوتی ہے جو ٹھوس حقائق پر مبنی ہو اور جس کے پڑھنے کے بعد تحریک کے بنیادی خطوط اور مضمرات واضح ہوں۔ وہ لٹریچر جو ایک عرصہ پاک و ہند میں چھپتا رہا اور محض مذہبی مناظرہ بازی کی پیداوار تھا۔ وہ باہر کی دنیا کے لیے قابل قبول نہ ہوگا۔محمدی بیگم سے نکاح، پیش گوئیوں کے پورا نہ ہونے کی

بحث، حیات ووفات مسیح وغیرہ پہ بہت کم زور دیا جائے اور دنیا کو بتایا جائے کہ مرزا غلام احمد قادیانی ایک دائم المرض نفسیاتی مریض تھا۔ جس کو شوگر، مرگی، ہسٹریا، کثرت بول، اسہال وغیرہ کی بیماریاں تھیں۔ حصول زر اور جاہ طلبی کے لیے اس نے نبوت کے نام پر برطانوی سامراج کی خدمت کا بیڑہ اٹھایا۔ نفسیاتی لحاظ سے اس شخص کا تجزیہ اور اس کے اوٹ پٹانگ کشف والہامات کا تنقیدی جائزہ لوگوں کو بانی قادیانیت اور تحریک کے پس منظر کے بارے میں صحیح معلومات مہیا کرے گا۔ اس سلسلے میں محترم جناب عرفان محمود برق صاحب (نومسلم، سابق قادیانی) کی کتاب ''قادیانیت: اسلام اور سائنس کے کٹہرے میں'' کا مطالعہ کرنا چاہیے اور ہر شخص تک یہ کتاب پہنچانی چاہیے۔

تحفظ ختم نبوت کی تنظیموں سے ایک دردمندانہ اپیل کروں گا کہ وہ قادیانیت کے سیاسی احتساب کے لیے فوری طور پر معقول وظائف کا اعلان کریں اور ریسرچ سکالروں کو یہ کام سونپیں کہ وہ انڈیا آفس لائبریری لندن میں بیٹھ کر قادیانیت کے اصل پس منظر کو بے نقاب کرنے کا عظیم کام شروع کردیں۔ یہ ہماری بڑی بدقسمتی ہے کہ ہم نے اس اہم ذخیرے سے قادیانی تاریخ مرتب نہیں کی۔ اس منصوبے پر فوراً عمل کی ضرورت ہے۔ کچھ وظائف ان سکالروں کو دیئے جائیں جو بھارت میں جا کر وہاں خفیہ رپورٹوں سے استفادہ کر کے ان کی روشنی میں قادیانیت کے سیاسی اور مذہبی عوامل سے عوام کو واقف کرائیں اور دنیا کے سامنے یہ حقیقت ٹھوس ثبوت کے ساتھ پیش کریں کہ قادیانیت برطانوی سامراج کی سازش کا دوسرا نام ہے۔ ''کذاب پنجاب'' یہود کا سیاسی اجیر تھا اور قادیانی مبلغ جاسوسوں کا ایک گروہ تھا۔ قادیانیوں کو احمدیہ تحریک کی جوبلی کے موقع پر یہ تحفہ پیش کرنا ضروری ہے۔ پڑھا لکھا طبقہ اس ٹھوس تحقیقی کام سے متاثر ہوگا۔ عام مناظر جو طریق اختیار کرتے ہیں اور جس طرح کی مذہبی مباحث چھیڑتے ہیں وہ مغربی دنیا کو متاثر نہیں کرسکتیں جو قادیانیت کی اسلام دشمنی کے باعث پہلے سے اس کی اعانت پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔

(10) قادیانیت نے 1880ء تک جو سیاسی اور پاکستان مخالف کارروائیاں اور سازشیں کیں اور ملکی سالمیت کے خلاف جو کام کیا ہے۔ اس کی تفاصیل بھی منظر عام پر لائی جائیں۔

(11) قادیانی جماعت کا دوسرا سربراہ مرزا محمود 1916ء سے 1925ء تک اپنی آمریت کا سکہ چلاتا رہا۔ یہ شخص برطانیہ کا ذلیل خوشامدی، آزادی ہند کا دشمن، مسلمان کی تکفیر کا مبلغ اور مرزا قادیانی کی لعنتی نبوت کا زبردست پرچارک تھا۔ سیاسی کردار کے ساتھ ساتھ اس کا ایک نہایت ہی گھناؤنا اخلاقی کردار تھا اس کی سوانح قادیان کے راسپوٹین کے عنوان سے مرتب کی جائے اور اس کا اصل چہرہ دنیا کو دکھایا جائے۔ وہ چہرہ جو لاہوری جماعت کے اخبار ''پیغام صلح'' لاہور مباہلہ کے پرچوں، مصری کے بیانوں اور حقیقت پسند پارٹی میں صاف جھلکتا ہے۔ راحت ملک کی کتاب ''ربوہ کا مذہبی آمر'' کو ایڈٹ کر کے فوری طور پر دوبارہ شائع کیا جائے اور اس کے انگریزی تراجم باہر کے ملکوں میں بھیجے جائیں۔

(12) اسرائیل میں قادیانی مشن کی 1968ء سے 1987ء تک کی کارروائیوں کو طشت ازبام کرنے کے لیے ربوہ میں براجمان قادیانی مبلغ چوہدری محمد شریف سے پوچھ گچھ کی جائے۔ دو جاسوس مبلغ اللہ دتہ اور جلال الدین شمس واصل جہنم ہوچکے ہیں۔ رشید چغتائی اور نور احمد شاید ربوہ ہی میں ہیں اور اسرائیل کے قیام 1948ء کے وقت وہاں سازشوں میں مصروف رہے ہیں۔ ان کے تفصیلی بیانات لیے جائیں اور ان کی وہ تمام رپورٹیں جو یہ جاسوس اسرائیل سے پاکستان بھیجتے تھے وہ حاصل کر کے منظر عام پر لائی جائیں۔ ان کے ملک چھوڑنے پر پابندی عائد کی جائے اور ان کے نام ای۔سی۔ایل (Exit Control List) میں شامل کیے جائیں۔

(13) جن عرب ممالک میں قادیانی اپنا لٹریچر اور مبلغ بھیج رہے ہیں۔ ان کے سربراہوں اور تنظیموں کو خطوط لکھ کر اور رسائل وجرائد میں مضامین کے ذریعے قادیانی فتنہ کی سرکوبی کے لیے ضروری اقدامات کرنے کے لیے تیار کیا جائے۔ اسلامی ممالک کی تنظیم (OIC) کے نوٹس میں یہ بات لائی جائے تاکہ موثر قدم اٹھایا جاسکے۔

(14) مرزا طاہر اور اس کے پاکستانی حواری ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہیں اور لندن میں بیٹھ کر وطن عزیز کے خلاف زہر افشانی اور سازشیں کررہے ہیں۔ ان کے پاسپورٹ ضبط کیے جائیں اور شہریت ختم کردی جائے۔

(15) وزارت خارجہ امریکہ اور یورپی ممالک کو حقوق انسانی وغیرہ کے نام پر چلائی گئی قادیانیت کی حمایت میں مہم بند کرنے کے لیے مجبور کرے۔ ان کو اصل صورت حال سے آگاہ کرے اور سفارتی اثر ورسوخ بروئے کار لائے۔ ان ممالک کے سفارت خانوں کو قادیانی تحریک کی حقیقت بتائی جائے اور مناسب لٹریچر فراہم کیا جائے۔ اسلامی تنظیموں کے ذریعے ایسا لٹریچر تیار کرا کے ان کو روانہ کیا جائے، جس سے وہ قادیانیت کا اصل چہرہ دیکھ سکیں۔

ہم امید کرتے ہیں کہ ان معروضات پر غور کر کے ایک ایسا لائحہ عمل مرتب کیا جاسکے گا جو اس فتنے کی سرکوبی کے لیے ضروری ہے۔ ❑❑

غوث سیوانی☆

تصوف اور تعمیر شخصیت

قسط اوّل

انسان دنیا میں آتا ہے تو کورے کاغذ کی طرح ہوتا ہے، بالکل سفید۔ اس پر ذرہ برابر داغ نہیں ہوتا، کوئی رنگ نہیں ہوتا۔ دنیا کے حالات اس پر مختلف رنگ چڑھاتے ہیں، کئی طرح کی نقاشی کرتے ہیں۔ یہ رنگ کبھی حسین و دل کش ہوتے ہیں تو کبھی بدنما۔ کبھی جاذب نظر ہوتے ہیں تو کبھی دھبے کی صورت۔ عادات واطوار کے انھیں رنگوں کو سیرت کہہ سکتے ہیں۔ آدمی کی سیرت و عادت اگر اچھی ہو تو اسے ایک دنیا پسند کرتی ہے اور اگر بری ہو تو صرف بری عادت والے پسند کرتے ہیں۔ تصوف یوں تو عرفانِ الٰہی کا راستہ ہے مگر اس راستے پر چلنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ آدمی بشری کدورتوں سے پاک ہو اور انسانی خوبیوں سے مالا مال ہو۔ خواجہ معین الدین چشتی کے ملفوظات میں ہے کہ حضرت ذوالنون مصری سے ایک صوفی نے سوال کیا کہ صوفی اور عارف کسے کہتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ:

''جن کے دل انسانی میل سے پاک ہوں، دنیا اور دنیا کی محبت سے صاف ہوں۔ جب ان میں یہ اوصاف پائے جائینگے تو وہ اعلیٰ درجہ پائیں گے، تمام مخلوقات سے برگزیدہ کہلائیں گے وہ غیر دوست سے دور بھاگیں گے پھر وہ مالک کے ہو جائیں گے نہ کہ غلام کے۔'' (دلیل العارفین، مجلس-۱۰)

پریم بھاؤ اک چاہیے، بھیس انیک بنائے
چاہے گھر میں باس کرے، چاہے بن کو جائے

سلوک کے راستے پر چلنے کی پہلی شرط ہے کہ انسان اپنی بشری خامیوں پر قابو پالے۔ یعنی وہ خرابیاں جو فطری طور پر انسان میں رکھی گئی ہیں، انھیں وہ سمجھے اور پھر ان سے اپنے آپ کو آزاد کرے۔ جیسے نفرت، جھوٹ، غیبت، حسد، کینہ، غرور، تشدد، بداخلاقی، فضول گوئی، خدا اور بندگان خدا کے حقوق سے صرف نظر، اللہ اور رسول کے راستے سے روگردانی وغیرہ۔ حضرت سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ دو صوفیہ کے اقوال نقل کرتے ہیں:

''شیخ ابوبکر وراق فرماتے ہیں، جس نے اعضا کی باگ کو شہوات کے میدان میں ڈھیلا کر دیا گویا اس نے اپنے دل کے باغ میں ندامت کا درخت بھر دیا، جس کا پھل حسرت اور رسوائی کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ وہب بن ورداء فرماتے ہیں جس نے لذات دنیوی کو نہایت خواہش سے چاہا، اس کو آخرت کے واسطے تیار رہنا چاہیے۔'' (ذخیرۃ الملوک، ص۱۲۴)

انسانی خامیوں پر قابو پانے کے لیے پہلے یہ ضروری ہے کہ ان کی برائی کا علم ہو لہٰذا اس راستے پر چلنے کے لیے اولین ضرورت علم ہے۔ کیونکہ علم ہی انسان کو اچھے برے کی تمیز سکھاتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری علیہ الرحمہ نے فرمایا:

''اے طالبِ حق تمہیں علم ہونا چاہیے کہ علم کی کوئی حد و غایت نہیں ہے اور ہماری زندگانی محدود و مختصر ہے۔'' (کشف المحجوب، ص ۳۶)

''یادرکھو کہ علم کے ساتھ عمل بھی ضروری ہے۔ تھوڑے علم کے لیے بہت زیادہ عمل درکار ہے۔ علم و عمل دونوں لازم و ملزوم ہیں لہٰذا علم کے ساتھ عمل ہمیشہ پیوستہ رہنا چاہیے۔ اسی طرح بغیر علم کے عمل رائیگاں ہے۔'' (کشف المحجوب، ص ۳۷)

تصوف پہلے علم حاصل کرنے کو لازم کرتا ہے پھر اس پر عمل کو ضروری قرار دیتا ہے۔ یہاں بے علم عبادت گزار کو اس گدھے کے مشابہ سمجھا جاتا ہے جو چکی میں بندھا ہے اور چل رہا ہے مگر بہت دیر تک چلنے کے باوجود وہیں کا وہیں رہتا ہے۔ ایک قدم کا فاصلہ بھی طے نہیں کر پاتا۔ اصل میں علم کو تصوف میں چراغ راہ کا درجہ حاصل ہے، جس طرح اندھیری رات میں چلنے کے لیے روشنی کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح معرفت کی راہ کو طے کرنے کے لیے علم کی ضرورت ہوتی ہے۔ گویا تصوف کا پہلا کام تو یہ ہوتا ہے کہ وہ بے علم کو علم والا بنا دے۔ یہی سبب ہے کہ صوفیہ اپنے مریدوں کو راہ سلوک پر چلنے سے پہلے علم سیکھنے کی تلقین کرتے تھے اسی لیے اکثر خانقاہوں سے منسلک مدرسے بھی ہوا کرتے تھے۔

علم پر عمل:

جب انسان علم سیکھ لیتا ہے تو اس کے لیے اس پر عمل بھی ضروری ہوتا ہے۔ ایسا شخص جس نے علم سیکھا اور اس پر عمل نہیں کیا اس چوپائے کی طرح ہے جس پر کتابیں لدی ہوں مگر وہ ان کی اہمیت سے بے خبر ہو۔ فارسی کے مشہور شاعر اور صوفی، شیخ مصلح الدین سعدیؔ شیرازی کے مطابق:

نہ محقق بود ، نہ دانش مند
چار پائے برو کتابے چند

یعنی عالم بے عمل ایسا ہے، جیسے چوپائے پر کتابیں لدی ہوں۔ تصوف آدمی کی شخصیت سازی میں پہلا کام یہ کرتا ہے کہ اسے جاہل سے عالم بناتا ہے، اور جب وہ عالم بن جاتا ہے تو اسے علم پر عمل کرنے کو کہتا ہے۔ اس طرح انسان، عام سے خاص بننے لگتا ہے۔ امیر کبیر حضرت سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے اخلاقی خوبیوں کے لیے تربیت کی ضرورت بتائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''انسان کی تربیت تین درجوں پر ہے۔ اوّل زمانہ لڑکپن، جس میں حق

☆ دہلی

و باطل اور نیک و بد کی تمیز نہیں ہوتی اور بچے کے دل کا شیشہ فاسدہ خیالات اور باطلہ اعتقادات سے بالکل صاف ہوتا ہے اور ابھی اس کا نفس شہوات کی مناسبت پر پکا نہیں ہوتا۔ اس حالت میں ناصح کی نصیحت بہت ہی جلد اثر پذیر ہو جاتی ہے۔اور مرشد کا حکم اس کی طبیعت کی تختی پر مانند پتھر نقش ہو جاتا ہے۔ جو کبھی مٹ نہیں سکتا۔

زمانہ دوم۔ وہ ایسا شخص ہوتا ہے کہ باوجود کہ نیک و بد کا امتیاز کر لیتا ہے مگر شہوات کے غلبہ سے نیک کام پر استقامت نہیں کر سکتا اور طاعت کی برداشت دل پر نہیں رکھتا اور کام کرنے سے دل چراتا ہے، لیکن باوجود اس کے اپنے قصور کا معترف ہوتا ہے۔ ایسے شخص کا حال پہلے زمانہ والے سے ذرا مشکل ہے۔ مشکل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ایسے آدمی کی تندرستی کے واسطے پہلے اندر کا مادہ اکھاڑنا پڑتا ہے۔ پھر نیا خیال جمانا پڑتا ہے، جس سے اس کی اصلاح ہو جاتی ہے۔

زمانہ سوم، وہ شخص ہے جس کے خیالات کی تربیت اور پرورش خیالات فاسدہ پر ہو چکی ہے اور اس کا دل اعتقادات باطلہ کو صحیح مانتا ہے۔ یعنی باطل کو حق اور رات کو دن سمجھتا ہے اور بد کو نیک جانتا ہے اور کڑوے کو میٹھا اور برے کاموں کے کرنے پر فخر کرتا ہے۔ ایسے بداعتقاد کا درست ہونا پہاڑ کو ناخن سے کھودنا ہے یا سر دلو ہے کو کوٹنا یا آگ کو پانی سمجھنا ہوتا ہے۔'' (ذخیرۃ الملوک، ص ۱۱۸-۱۱۹)

آدمی کی تربیت اور اصلاح کا کام مختلف اوقات اور مختلف طریقوں پر ہوتا ہے، اور صوفیہ اسے تعمیر اخلاق و سیرت کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں۔ صوفیہ کی تعلیمات آدمی کے اندر حیرت انگیز تبدیلیاں پیدا کرتی ہیں۔ وہ سب سے پہلے آدمی کے دل و دماغ کو پاکیزہ بنانے کا کام کرتے ہیں کیونکہ اگر ان کی اصلاح ہو جائے تو جسم اور اخلاق میں بھی پاکیزگی آ جائے گی۔ حضرت سید علی ہمدانی لکھتے ہیں:

''اے عزیز! اہلِ تحقیق کے نزدیک روح اور دل کی صحت کا معیار حسنِ خُلق ہی ہے۔'' (ذخیرۃ الملوک، ص ۱۱۹)

کئی طریقے ہیں آدمی کی تربیت اور اس کی اصلاح کے۔ تصوف، آدمی کی اصلاح اس کے حالات کو مدنظر رکھ کر کرتا ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو پاکیزہ نفس ہوتے ہیں اور دنیا کے ہر واقعے سے سبق حاصل کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ کسی نے پوچھا آپ نے ادب کس سے سیکھا؟ تو انھوں نے فرمایا بے ادبوں سے۔ لوگوں نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا جاہلوں کا جو کام مجھے پسند نہیں آیا، میں نے اسے چھوڑ دیا۔ (یہ واقعہ ذخیرۃ الملوک سے ماخوذ ہے)

صحبت کا اثر

اس کے بعد وقت آتا ہے آدمی کو اچھائیوں سے مالا مال کرنے اور برائیوں سے پاک کرنے کا۔ اگر انسانی سیرت میں اچھائیاں شامل ہو جائیں تو برائیاں خود بخود ختم ہو جاتی ہیں۔ صوفیہ کا اس بات پر زور ہوتا ہے کہ راہ سلوک پر چلنے والا نیکوں کی صحبت اختیار کرے اور بری صحبت سے دور رہے کیونکہ اچھی صحبت اسے اچھا بناتی ہے اور بری صحبت اسے برا بناتی ہے۔ حضرت سعدیؔ شیرازی اپنی مشہورِ زمانہ کتاب ''گلستاں'' کے دیباچے میں اسی بات کو ایک تمثیلی واقعے کی صورت میں بیان کرتے ہیں کہ کسی نے حمام کی مٹی سونگھی تو اسے خوشبو محسوس ہوئی اس نے مٹی سے پوچھا کہ تجھ میں خوشبو کہاں سے آئی؟ مٹی نے جواب دیا:

''جمالِ ہم نشیں درمن اثر کرد، وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم''

یعنی ہم نشین کا حسن مجھ میں اثر کر گیا ورنہ میں تو وہی مٹی ہوں۔

صحبت کے اثر سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیہ نے اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنے کو کہا ہے۔ اگر کسی دوست کی صحبت اختیار کی جائے تو اس میں بھی ضروری ہے کہ اچھے آدمی کو دوست بنایا جائے۔ شیخ ابوبکر زقاق مصری سے دریافت کیا گیا کہ کس کی محبت اختیار کی جائے تو فرمایا کہ:

''اس شخص کی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری نسبت جو کچھ جانتا ہے اس سے تمہارے دوست کو آگاہ کر دے اور وہ اس پر بھی تمہاری صحبت سے گریز نہ کرے اور نہ تم سے تعلق توڑے۔'' (نفحات الانس، ص ۲۹۹)

یعنی صحبت کا قبول کرنا عیبوں سے آگاہی کے بعد ٹھیک رہتا ہے۔ پکے دوست وہی ہوتے ہیں جو انسانی خامیوں سے آگاہی کے بعد بھی دوستی قائم رکھیں۔ انسانی شخصیت مختلف خوبیوں اور خامیوں کی جامع ہوتی ہے لہٰذا ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ دوست اپنے دوست کی خامیوں اور کمیوں سے آگاہی کے بعد دوستی توڑ دے۔ ایسا کرنے والا مخلص دوست نہیں۔ اصل دوستی یہی ہے کہ ایک دوست دوسرے دوست کی انسانی خامیوں سے آگاہی کے بعد بھی دوستی برقرار رکھے اور اس کے اصلاح کی کوشش جاری رکھے۔

شیخ یحییٰ بن معاذ رازی کا قول ہے کہ:

''تم اس شخص کی صحبت میں رہو، کہ جب تم بیمار پڑو تو وہ تمہاری عیادت کو آئے، اور جب تمہارا کوئی عیب اس پر ظاہر ہو تو وہ خود تم سے معذرت کرے۔'' (نفحات الانس، ص ۲۹۹)

حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے فرمایا کہ:

''اگر کوئی برا آدمی نیکوں کی صحبت اختیار کرے گا تو نیک ہو جائے گا اگر نیک بدوں کی صحبت میں اختیار کرے گا تو بدکار ہو جائے گا۔ جس کسی نے کچھ حاصل کیا وہ صحبت سے حاصل کیا، جو نعمت حاصل ہوئی وہ نیکوں کے طفیل میں حاصل ہوئی۔ پھر فرمایا کہ نیکوں کی صحبت نیک کام سے بہتر ہے اور بروں کی صحبت برے کام سے بری ہے۔'' (دلیل العارفین، مجلس-۱۰)

شیخ ابوعلی رودباری فرماتے ہیں:

''اپنے ناجنس کے ساتھ گزربسر سب سے زیادہ تنگ قید خانہ ہے۔''
(نفحات الانس،ص۸۱۴)

حضرت مجددالف ثانی شیخ احمد سرہندی لکھتے ہیں:

''فقراء کے آستانوں کی خاکروبی (جھاڑو لگانا) دولت مندوں کے ہاں کی صدرنشینی (اونچے عہدے پر رہنا) سے بہتر ہے۔''
(مکتوبات حضرت مجددالف ثانی، دفتر اول، مکتوب ۱۳۲)

فقیروں اور اللہ والوں کے دروازوں پر جھاڑو لگانے والے بھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے، جبکہ امیروں کے دربار میں اونچے عہدوں پر بیٹھے لوگ شاید ہی کبھی اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ صوفیہ اچھوں کی صحبت کا حکم دیتے ہیں اور بروں کی صحبت سے باز رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔

کیوں بھیجیں وہ جنت میں ہمیں اپنی گلی سے
ہاں کوئی خطا قابلِ تعزیر ہماری

وقت کو غنیمت جانو:

عوامی کہاوت ہے کہ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔ یہ سچ بھی ہے اسی لیے عقلمند ہمیشہ وقت کی قدر کرتے ہیں۔ اسے فضول کاموں میں برباد نہیں کرتے۔ صوفیہ کی تعلیم میں بھی اس پر زور ہے کہ وقت کو برباد نہ کیا جائے۔ جو وقت میسر ہوا سے اللہ کی عطا سمجھتے ہوئے کام میں استعمال کیا جائے۔ حضرت مجددالف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ملاشمس کے نام ایک خط میں تحریر فرمایا:

''مولانا شمس کو توفیق بخشے کہ جوانی کے موسم کو غنیمت جانیں اور کھیل کود میں صرف نہ کریں اور معمولی چیزوں کے عوض وقت نہ گزاریں، کیونکہ آخرکار ندامت اور پشیمانی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔'' (مکتوبات حضرت مجددالف ثانی، دفتر اول، مکتوب ۱۴۳)

آپ ایک دوسرے خط میں ملامحمد صدیق کو لکھتے ہیں کہ:

''فرصت کو غنیمت جانیں اور وقت عزیز کی قدر کریں، رسوم وعادات سے کچھ نہیں بنتا، حیلے بہانے تلاش کرنے سے سوائے خسارہ ومایوسی کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، یہ کام عنقریب کرونگا کہنے والے ہلاک ہوگئے۔ موجودہ عمر کو موہوم کام میں صرف کرنا اور موہوم کو موجود کے لیے کیلیے حفاظت کرنا بہت برا ہے۔ چاہیے کہ وقت کی دولت کو اہم کاموں میں خرچ کریں اور ادھار (غیر موجود وقت) کو دنیاوی کاموں اور بے فائدہ آرائشوں کے لیے موخر کردیں۔'' (مکتوبات مجددالف ثانی، دفتر اول، مکتوب ۱۳۳)

مجددالف ثانی ایک اور خط میں، جو مولانا محمد امین کے نام ہے لکھتے ہیں:

''اس مختصر فرصت میں اپنے قلبی امراض کا، ذکرکثیر (اللہ کو یاد کرنا) کے ذریعے ازالہ کی فکر کرنا سب کاموں سے زیادہ اہم کام ہے اور اس کم مہلت میں رب جلیل کی یاد سے چھپی ہوئی بیماریوں کا علاج کرنا بہت بڑے مقاصد میں سے ہے۔'' (مکتوبات مجددالف ثانی، دفتر اول، مکتوب ۱۶۶)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ حضرت خلیفہ کے مخلص مریدوں میں ایک معمار اکثر وبیشتر یہ شعر پڑھا کرتا تھا۔

کارِ عالم درازیٔ دارد
ہر چہ گیرد مختصر گیرد

کاروبار دنیا کی کوئی حد نہیں، اس لیے جس قدر ممکن ہوا سے مختصر کرو اور فرصت کے لمحات کو غنیمت جانو۔ (انفاس العارفین، ص۸۰)

وقت وہ قیمتی دولت ہے جو صرف ایک بار آدمی کے ہاتھ آتی ہے۔ اس دولت کو سونے، چاندی اور ہیرے جواہرات کے بدلے بھی حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لیے عقلمند کبھی اس دولت کو ضائع نہیں کرتے، بہت سوچ سمجھ کر خرچ کرتے ہیں۔

زیادہ بولنا:

صوفیہ کے تذکروں، انکی کتابوں اور انکے ملفوظات میں زندگی کو کامیاب بنانے والی باتیں بہت زیادہ ملتی ہیں۔ یہاں علم وحکمت کی باتیں دوسری کتابوں کے مقابلے بہت زیادہ ہیں۔ ان کے مطالعے سے زندگی کامیاب ہوتی ہے اور بہت سی خامیوں سے پاک ہوتی ہے۔ صوفیہ زیادہ بولنا پسند نہیں کرتے۔ زیادہ بولنا ایک عیب کی طرح ہے، اس سے آدمی کی قدر و قیمت کم ہوتی ہے اور نہ سننے کی عادت سے اس کے ہم نشین بیزار ہوجاتے ہیں۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ زیادہ بولنے والے کام کم کرتے ہیں۔ شیخ ابوعلی رودباری علیہ الرحمہ نے فرمایا:

''باتیں زیادہ کرنا اور کام نہ کرنا نقص کی بات ہے اور بہت کام کرنا کم باتیں کرنا عزت کا کام ہے۔'' (نفحات الانس، ص۸۱۴)

شیخ ابوالحسن بن محمد المزین، جو کہ بغداد کے رہنے والے تھے اور مکہ معظّمہ میں رہتے تھے، فرمایا: ''بغیر ضرورت کلام کرنا، بندے پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے۔'' (نفحات الانس، ص۳۵۷)

کسی بھی چیز کی زیادتی نقصان دہ ہوتی ہے، اسی طرح زیادہ بولنا بھی اچھی بات نہیں۔ یہ بات آدمی کی سنجیدہ طبیعت کے خلاف بھی ہے۔ صوفیہ اسے پسند نہیں کرتے۔

شبد برابر دھن نہیں، جو کوئی جانے بول
ہیرا داموں ملے، شبد کا مول نہ تول

زندگی میں توازن ہو:

زندگی میں ہر جگہ توازن لازم ہے، کسی بھی چیز کی زیادتی اس توازن کو بگاڑ

دیتی ہے۔قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ:

''اہلِ سلوک اپنی خصلتوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ آدمی کی کمالیت ان چار چیزوں میں ہے۔کم کھانا، کم سونا کم بولنا اور لوگوں سے کم میل جول رکھنا۔''

(فوائد السالکین، مرتبہ، بابا فرید الدین گنج شکر۔مجلس-۱)

کم کھانا اور کم سونا جسمانی صحت کے لیے مفید ہے، اسی طرح کم بولنا اور لوگوں سے کم میل جول رکھنا فکری صحت مندی کے لیے لازم ہے۔ یہ متوازن زندگی کی علامت ہے اور ضرورت بھی۔ ان باتوں کی حکیم لقمان نے اپنے بیٹے کو بھی نصیحت کی تھی، یہ ذکر مختلف کتابوں میں آتا ہے۔ خواجہ قطب الدین بختیار کا کی نے غزنی کے ایک خدا رسیدہ درویش کی نصیحت نقل کی ہے کہ:

''اے درویش! جب تک کم نہ بولے گا اور لوگوں سے میل ملاپ کم نہ کرے گا ، درویشی کا جوہر تجھ میں پیدا نہ ہوگا۔ درویش کا گروہ وہ ہے جس نے نیند اپنے لیے حرام کی، زبان گونگی بنالی، عمدہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ لوگوں سے میل ملاپ کو زہر یلے سانپ کا زہر قرار دیا، تب اللہ کا قرب حاصل ہوا۔'' (فوائد السالکین، مجلس-۱)

فرصت کہاں کہ چھیڑ کریں آسماں سے ہم
الجھے ہوئے ہیں لذتِ دردِ نہاں سے ہم

زیادہ سونا بھی اچھی بات نہیں۔صوفیہ اسے پسند نہیں کرتے اور وہ رات کو بیدار رہ کر اللہ کی عبادت کرنا پسند کرتے ہیں۔ یقیناً نیند بھی جانداروں کے لیے ضروری ہے مگر ضرورت سے زیادہ سونا متوازن زندگی کی علامت نہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''جس شخص نے نیند کو بیداری پر پسند کیا جو ہوشیاری اور آگاہی کا سبب ہے، بلاشبہ اس نے ناقص اور کم تر چیز کو اختیار کیا۔ اس نے خود کو مردوں میں شامل کر کے تمام بھلائیوں پر غفلت کو پسند کیا، کیونکہ نیند موت کی طرح ہے۔''

(فتوح الغیب، مقالہ ۴۹)

آدمی جتنی دیر سوتا ہے، اتنی دیر دین و دنیا سے غافل رہتا ہے۔ علم و حکمت سے الگ رہتا ہے۔ اسے اچھے برے کا خیال نہیں رہتا اور اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت منجمد رہتی ہے۔ علم و عمل سے بے خبر رہتا ہے۔ اسی لیے انسان کو صرف اتنا ہی سونا چاہیے جتنے کی ضرورت ہے۔

کم ظرفی اچھی بات نہیں:

زندگی میں وہی شخص اونچا مقام پا سکتا ہے، جو باظرف ہو۔ جس برتن میں جتنی جگہ ہوگی وہ اتنا ہی سامان اپنے اندر جمع کر پائے گا۔ بے صبری کا اظہار آدمی کو کم ظرف ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح زندگی میں وہی انسان کچھ حاصل کر سکتا ہے جو کامیابی کو ہضم کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ شیخ احمد بن ابی الورد قدس سرہٗ نے فرمایا:

''جب اللہ تعالیٰ کسی شخص میں ان تین چیزوں میں اضافہ کرے تو ان تین چیزوں کو بڑھا دینا چاہیے۔ جب اس کے مرتبہ میں اضافہ ہو تو وہ تواضع اور عاجزی میں بڑھ جائے۔ جب اس کے مال میں اضافہ ہو تو وہ سخاوت میں بڑھ جائے۔ جب وہ اس کی عمر میں اضافہ فرمائے تو وہ عبادت میں مزید مجاہدہ کرے۔'' (نفحات الانس، ص ۳۰۸)

تاکہ شرمندگی نہ ہو:

آدمی کو اپنے ہر عمل کا انجام دیکھنے کو ملتا ہے۔ اگر کسی کام کا انجام دنیا میں سامنے نہ آئے تو آخرت میں ضرور سامنے آئے گا۔ انسان اگر اچھا کام کرے تو اس کے انجام کو دیکھ کر اسے خوشی ہوتی ہے اور اگر وہ برا کام کرے تو اسے دیکھ کر شرمندگی کا احساس ہوتا ہے۔ اس لیے صوفیہ آدمی کو ایسے کام سے باز رہنے کی تلقین کرتے ہیں جو اسے شرمندگی میں ڈالنے والے ہوں۔ شیخ ابراہیم بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''وہ کام نہ کر وجس سے شرمندگی حاصل ہو۔'' (نفحات الانس، ص ۳۲۴)

شیخ سعدی شیرازی، گلستاں، میں کہتے ہیں: ''چرا کارے کنی کہ باز آید پشیمانی،، یعنی ایسا کام کیوں کرنا کہ بعد میں شرمندگی اٹھانی پڑے۔

اپنی چیز اپنی ہے:

اپنی چیز ہر حالت میں اپنی ہوتی ہے، اس پر اپنا اختیار ہوتا ہے، مگر دوسرے کی چیز بہر حال غیر کی ہوتی ہے۔ اسے وقتی طور پر اسکی اجازت سے استعمال تو کیا جا سکتا ہے مگر پورا اختیار نہیں مل سکتا۔ اپنی چیز کا استعمال بھی آدمی اطمینان قلب سے کرتا ہے۔ اسی لیے ایک صوفی شیخ محمد بن حامد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''انسان اپنے پرانے اور بوسیدہ کپڑوں میں غیر کے نئے کپڑوں سے بدر جہا بہتر ہے۔'' (نفحات الانس، ص ۳۵۱)

یہ انسانی فطرت ہے کہ آدمی دوسروں کی زندگی میں کچھ اچھا دیکھتا ہے تو اس کی آرزو ہوتی ہے کہ اس کی اپنی زندگی میں بھی ایسا ہی ہو۔ جیسے دوسروں کے پاس نعمت اور جاہ و مرتبہ ہے اسی طرح اس کے پاس بھی ہو۔ اس میں قابل غور بات یہ ہے کہ دنیا میں تمام لوگ یکساں اور برابر نہیں ہوتے، اسی طرح اللہ کی تقسیم بھی سب کے لیے برابر نہیں۔ وہ کسی کو شکل دیتا ہے تو کسی کو عقل۔ کسی کو دولت دیتا ہے تو کسی کو عزت۔ کسی کو شہرت دیتا ہے تو کسی کو وجاہت۔ کسی کو علم دیتا ہے تو کسی کو حلم۔ آدمی کو زیادہ چاہت دنیاوی جاہ و منصب اور دولت و ثروت کی ہوتی ہے مگر اسے چاہیے کہ اللہ کی تقسیم کو قبول کرتے ہوئے، صبر کرے۔ ہر کسی کو ہر نعمت نہیں ملتی۔ وہ فرعون کو حکومت، قارون کو دولت اور موسیٰ کو نبوت عطا کرتا ہے۔ یہ اس کی تقسیم ہے۔

نفس پر قابو

تصوف میں نفس پر قابو رکھنے کی خاص تعلیم دی جاتی ہے۔ کیونکہ نفسانی

خواہشات اور تمنائیں وآرزوئیں کئی بار آدمی کو غلط راستے پر ڈال دیتی ہیں۔ تمناؤں کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ ایک تمنا پوری ہوئی تو دوسری دل میں ابھر آتی ہے۔ ایک خواہش کی تکمیل ہوئی تو دوسری جنم لے لیتی ہے۔ اسی لیے صوفیہ نفس کشی کی تعلیم دیتے ہیں۔ کئی صوفیہ کی یہ حالت تھی کہ اگر انھیں کوئی خاص پھل یا کھانا کھانے کی چاہت ہوئی تو انھوں نے نفس کی مخالفت میں کبھی وہ چیز نہیں کھائی۔ حضرت سری سقطی ایک مشہور صوفی گزرے ہیں، انھیں ایک بار ٹھنڈے پانی کی خواہش ہوئی تو نفس کی مخالفت میں پوری زندگی ٹھنڈے پانی سے پرہیز کرتے رہے۔ حضرت داتا گنج بخش شیخ علی ہجویری لکھتے ہیں کہ:

''نفس کے کاموں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک معصیت و نافرمانی، دوسرے کمینہ خصائل۔ جیسے تکبر، حسد، بخل، غصہ اور کینہ وغیرہ۔ انکے ماسوا وہ تمام باتیں جو عقل اور شریعت کے نزدیک بری اور رکیک ہیں، نفس کے افعال بد ہیں۔ اس لیے ریاضت ومجاہدے سے ان برے خصائل کو زائل کیا جاسکتا ہے۔''

(کشف المحجوب، ص۲۸۴)

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری علیہ الرحمۃ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

''اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ برے اخلاق اور ناپسندیدہ کاموں کا وہی (نفس) سبب ہے اور یہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک معاصی اور دوسرے برے اخلاق جیسے کبر وحسد، بخل اور غصہ وغیرہ۔ اور ریاضت کے ذریعے ان ناپسندیدہ اوصاف کو اپنی ذات سے دور کیا جاسکتا ہے۔'' (مکتوباتِ صدی، ص۴۹۱)

نفس پر قابو کے لیے یہاں عبادت اور مجاہدے کا دستور ہے اسی کے ساتھ، آدمی کو خود اس پر تیار کیا جاتا ہے کہ وہ نفس کی مخالفت کرے۔

شیخ ابوالحسن صائغ دینوری، دینور کے رہنے والے صوفی تھے مگر مصر میں رہتے تھے اور یہیں ان کا انتقال ہوا، فرماتے ہیں: ''تمنا اور آرزو طبیعت کے بگاڑنے والے ہیں۔'' (نفحات الانس، ص۳۵۹)

خواہشات کئی قسم کی ہوسکتی ہیں۔ دولت کی خواہش، جاہ ومرتبے اور شہرت کی خواہش، جنسی خواہش وغیرہ وغیرہ، مگر کوئی بھی خواہش اگر بہت زیادہ ہو تو وہ نقصان دہ ہوسکتی ہے۔ صوفیہ جہاں نفس کشی کے لیے نفس کی مخالفت کا طریقہ بتاتے ہیں وہیں مجاہدہ اور روزے رکھنے کو بھی مفید بتاتے ہیں۔ خاص طور پر روزے جنسی خواہش کو دبانے کا بہترین ذریعہ ہیں۔ امام محمد غزالی لکھتے ہیں کہ:

''ہر عقلمند کے لیے ضروری ہے کہ وہ بھوکا رہ کر شہوات کا قلع قمع کرے۔ اس لیے کہ بھوک اس دشمن خدا نفس کے لیے قہر ہے۔ شیطان کا وسیلۂ ظفر یہی خواہشات اور کھانا پینا ہے۔'' (مکاشفۃ القلوب، باب-۵)

''ایک دانا کا قول ہے جس انسان پر اس کا نفس غالب آجاتا ہے وہ شہوات کا قیدی ہوجاتا ہے اور بیہودگی کا تابع بن جاتا ہے، اس کا دل تمام فوائد سے محروم ہوجاتا ہے۔ جس کسی نے بھی اپنے اعضاء کی زمین کو شہوات سے سیراب کیا، اس نے اپنے دل میں ندامت کی کھیتی کی۔'' (مکاشفۃ القلوب، باب-۵)

''شہوات بادشاہوں کو فقیر اور صبر فقیروں کو بادشاہ بنا دیتا ہے۔ آپ نے حضرت یوسف اور زلیخا کا قصہ نہیں پڑھا؟ یوسف علیہ السلام صبر کی بدولت مصر کے بادشاہ ہوئے اور زلیخا خواہشات کی وجہ سے عاجز اور رسوا ہوئی اور بصارت سے محروم بڑھیا بن گئی، اس لیے کہ زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت میں صبر نہیں کیا۔'' (مکاشفۃ القلوب، باب-۵)

جب آدمی دل کی ہر خواہش پوری کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ خواہشات کا قیدی بن جاتا ہے۔ زندگی میں بہت کچھ نفس کی مخالفت سے بھی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ خواہشات کی زیادتی بہت سے نقصانات کا سبب بنتی ہے اور صبر ورضا زندگی میں حصولیابی کا سبب۔ حضرت یوسف اور زلیخا کی مثال بہت عام ہے کہ صبر نے یوسف کو غلام سے بادشاہ بنا دیا اور خواہشات نے زلیخا کو ملکہ سے ایک غریب بڑھیا بنا دیا۔ صبر ورضا، زندگی کی بنیادی قدروں میں ہیں۔ تصوف میں اس کی خاص اہمیت ہے۔

آدمی وهی ہے:

آدمی وہی ہے جس کے اندر انسانی خوبیاں ہوں اور وہ ان سبھی خامیوں پر قابو پالے جنھیں بشری کمزوری سمجھا جاتا ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا صوفیوں کی نظر میں وہی اچھا انسان بھی ہے۔ خواجہ معین الدین چشتی نے فرمایا کہ:

''میں نے اپنے پیرومرشد عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے سنا اگر کسی شخص میں تین عادتیں پائی جاتی ہیں تو سمجھ لو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دوستی رکھتا ہے۔ سخاوت، شفقت اور خاکساری۔ سخاوت دریا کی طرح سے، شفقت سورج کی سی اور خاکساری زمین کی سی۔'' (دلیل العارفین، مجلس-۹)

دریا کو سخاوت کی علامت اس لیے سمجھا جاتا ہے کہ وہ کسی کو خود سے نہیں روکتا۔ ہر کس وناکس اس سے اپنی ضرورت پوری کرسکتا ہے، اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اسی طرح سورج کی دھوپ امیر کے بنگلے اور غریب کی کٹیا میں فرق نہیں کرتی، سب کو برابر فیض پہنچاتی ہے۔ زمین کی انکساری اس لیے ضرب المثل ہے کہ وہ اگر ایک ہلکی سی کروٹ بدلے تو قیامت برپا ہوجائے مگر باوجود اس کے وہ ہر متکبر اور ظالم کو برداشت کرلیتی ہے۔ سب کو اپنے دامن میں پناہ دیتی ہے اور سب کو غذا فراہم کرتی ہے۔ انسان بھی اگر ان خوبیوں کا حامل ہوجائے تو وہ ایک اچھا انسان بن جاتا ہے، ایسا انسان جس میں خدائی صفات موجود ہوں۔

(جاری)

فخر عالم ☆

ترکی – کل اور آج

ترکی کل بھی رہبر تھا اور آج بھی۔ چاہے ترکی نے بے شمار غلطی کیوں نہ کیں۔ اپنی سرحد اور زمینوں کو اپنوں پر حملوں کے لیے امریکہ کو کرایہ پر کیوں نہیں دیا۔ مگر آج بھی ترکی دنیا کی ساتویں سب سے بڑی اقتصادی طاقت ہے۔ ترکی نے اسرائیل پر اتنا سیاسی دباؤ بنایا کہ اسے آج یہ دن دیکھنا پڑ رہا ہے۔ ایک مرتبہ پھر سے ترکی نے مسلم ممالک کو قیادت کے قریب پہنچا ہی تھا کہ انہیں داخلی انتشار میں گرفتار کروا کر کمزور کرنے کی سازش کامیاب ہو گئی۔ ابھی ابھی کی بات ہے کہ ہندوستان کے وزیر سیاح اور نئی دہلی میں ترکی سفیر نے آپس میں ملاقاتیں کیں تھیں جس کے تحت دونوں ملکوں کو قریب لانے کی کوششیں کی گئیں تھیں ویسے ترکی کی عوام اور وہاں کی حکومت میں برصغیر کے مسلمانوں کے لیے خاص جگہ ہے اور یہاں سے گئے لوگوں کی ترکی میں خوب پذیرائی ہوتی ہے۔ ہمارے قومی رہنماؤں نے علی برادران کی رہبری میں ترکوں کا خوب ساتھ دیا۔ جب ترکوں کے باپ مصطفیٰ کمال پاشا اتاترک (اتاترک۔ترکوں کا باپ) نے خلافت اور ترکوں کے خلاف سازشوں میں شامل برطانیہ، فرانس اور یونان کو شکست دے کر ایک جدید ترکی کی رہنمائی کی تو اس کامیابی میں ہندوستانی مسلمانوں کی مالی اور سیاسی امداد دونوں ہی شامل تھیں۔ جس کا لحاظ آج تک ترکی والے کی آنکھوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ مگر آج ترکی کی حالت زار نے مسلم ممالک کا حوصلہ توڑ کر رکھ دیا ہے۔

مصطفیٰ کمال پاشا نے ایک جدید اسلامی ملک ترکی کا قیام تو کیا مگر انہوں نے میڈیکل کالج کھولنے اور چھاپہ کھانے کو غیر اسلامی قرار دیا تھا۔ موجودہ ترکی کے وزیر اعظم طیب اردگان کہہ رہے ہیں کہ ان کے خلاف جو لوگ مصطفیٰ کمال کی تصویر لے کر سڑک میں آ گئے ہیں اور گھروں کے برتن بجا کر احتجاج کر رہے ہیں وہ سب مسجد میں بیٹھ کر شراب پیتے ہیں اور عورتوں سے غیر شرعی رشتہ بنانے والے لوگ ہیں۔

ترکی میں سیکولر حکومت ہے اور آئین کے مطابق مذہب کے نام پر انتخاب میں حصہ نہیں لیا جا سکتا۔ جبکہ موجودہ حالات ترکی میں اسلامی شرعی قانون نافذ کرنے پر زور دے رہی ہے جو ترکی کو ہزاروں سال پیچھے لے جا سکتی ہے ساتھ ہی ساتھ پھر سے یہاں بنیاد پرست قوت اور مضبوطی کے ساتھ سرکار کے خلاف سڑکوں پر آ سکتے ہیں۔ موجودہ حالات کو غیر شرعی رواج کے نام پر ملک کو تباہ کرنے کی سازش ہے۔ ترکی سرکار کی جانب سے ۱۹۶۳ء میں سب سے پہلے یورپی یونین کی رکنیت کے لیے درخواست دی گئی تھی جبکہ امریکی مدد سے ترکی کو ۱۹۶۰ء میں ناٹو کی ٹیم میں شامل کر لیا گیا تھا۔ یہ جلد بازی سرد جنگ میں روس کی بڑی طاقت اور یورپ ایک مسلم ملک کو امریکی ٹیم میں رکھنے کی حکمت عملی کا حصہ تھی۔ ساتھ ہی ساتھ اس میں یورپی ممالک کا تجارتی مفاد شامل تھا۔ ۱۹۶۳ء کے بعد سے آج تک ترکی کو یورپی یونین میں شامل نہ کیے جانے کی بے شمار وجوہات بتائی جا رہی ہیں جس میں ترکی پر الزام لگایا جا رہا ہے کہ انسانی حقوق پر ان کا ریکارڈ اچھا نہیں ہے۔ جیلوں کی حالت، قیدیوں کی حالت وغیرہ وغیرہ شامل رہی ہیں۔ ترکی کو یورپی یونین میں شامل ہونے سے قبل یورپ میں مسلمانوں کی کل تعداد دو کروڑ سے زیادہ ہے۔ جب ترکی یورپی یونین میں شامل ہو جائے گا تب ترکی کے تقریباً ۷ کروڑ مسلمان یورپ میں شامل ہو کر کل مسلمانوں کی تعداد لگ بھگ ۱۹ فیصدی تک پہنچ جائے گا۔ جو کسی بھی عیسائی ملک یا فرد کو گوارہ نہیں ہے۔

۱۹ فیصدی مسلم آبادی یورپ کے سیاسی، معاشی، تجارتی، سماجی اور ثقافتی زندگی پر اثر ڈالیں گے خاص کر یورپ ان تنظیموں اور ان کی طاقت سے بے حد خوف زدہ ہے جسے بین الاقوامی سطح پر اسلام کے نام سے چلائے جاتے ہیں۔ بڑی حیرت اور افسوس کا مقام یہ بھی ہے کہ دوحہ میں طالبان کا بین القوئی دفتر کھل گیا ہے اور اسی دوحہ سے الجزیرہ جیسا چینل چلایا جا رہا ہے۔ اسلام کے اندر مذہبی بنیاد پرستوں کا تیزی سے اسلام کو نقصان پہنچانے کا سلسلہ کم ہونے کے بجائے دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔

لگ بھگ بارہ برسوں کے بعد ترکی ایک مرتبہ پھر سے بحران کی زد میں آ گیا ہے یہ ترکی کی تاریخ رہی ہے کہ ہر تین چار برس کے بعد یہاں سیاسی، اقتصادی، سماجی، معاشرتی، مذہبی اور ثقافتی انقلاب برپا ہوتے رہے ہیں۔ جس کا اثر دنیا بھر کے مسلم ممالک پر پڑتا رہا ہے۔ ساٹھ کی دہائی تک ترکی کے اندر ہونے والے انقلاب اور بحرانوں کے پیچھے برطانیہ، امریکہ اور اسرائیل کا ہاتھ ہونا مانا جاتا رہا مگر موجودہ بحران سب سے الگ نوعیت کے بحرانوں میں سے ہے۔ مصطفیٰ کمال کے نام پر ریپبلکن پیپلز پارٹی نے سب سے زیادہ ترکی پر حکومتیں کیں اور ان کے نام کو اپنے سیاسی مقصد کے لیے استعمال کیا تھا۔ اور نہ صرف کمال کے نام پر سیاست کی بلکہ اسے ترکی عوام پر نشے کے طور پر استعمال کیا۔ اور آج بھی ملک میں بدانتظامی پیدا کرنے اور حکومت کے خلاف نوجوانوں کو گھروں اور گلیوں سے سڑک پر مصطفیٰ کمال کے نام پر ہی اتارا جا رہا ہے۔ موجودہ ترکی کا بحران حکومت اور ان کی پالیسی بڑھتی بے روزگاری و پستی کا نتیجہ ہے۔ موجودہ بحران کی جڑیں بارہ سال قبل رکھی گئی تھیں یورپی یونین جو کبھی ترکی کو کچھ نہیں سمجھتا تھا انہوں نے اپنے ہر فیصلے میں ترکی کو شامل کرنا شروع کر دیا۔ نیٹو کا ارادہ ترکی کے بغیر خالی خالی رہتا تھا۔ دنیا

☆ ای-میل: fakhrealam43@gmail.com

بھر کے مسلم ممالک میں اول ترکی دنیا کے دس بڑے طاقتور اور مضبوط ملک کی فہرست میں شامل ہوگیا اور لگ بھگ ۶۰ برسوں کے بعد ان کے ایم ایف کریڈٹ رٹینگ میں زبردست اضافہ دیکھا گیا اور پھر سے لگنے لگا کہ اٹومن سلطنت کے خاتمے کے بعد ترکی پھر سے ۶۸ مسلم ممالک کی رہبری کے لیے تیار ہوگیا ہے۔ مگر حقیقت یہ بھی ہے کہ ترکی کے خلاف سازشوں میں ان کے ہمسائے، یورپی ممالک اسرائیل اور امریکہ لگ بھگ تمام تر مسلم مخالف طاقتیں یکجا ہوگئیں ہیں۔ ترکی کی حکومت نے بین الاقوامی کمپنیوں اور سرمایہ داروں کے ذریعے طے کیے گئے سود کی شرح کو سرکاری طور پر کم کرنے کا اعلان کیا جس کے بدلے میں بین الاقوامی سرمایہ داروں نے سرکار کے خلاف اور سرکار مخالف ہوا ملک بھر میں پیدا کردی ہے۔

ترکی میں جسٹس اینڈ ڈیولپمنٹ پارٹی لگ بھگ ۲۰۰۲ سے حکومت میں ہے اور سات مرتبہ عام انتخابات کا سامنا کرچکی ہے جسے ہر مرتبہ پہلے سے بہتر حمایت حاصل ہوتی گئی ہے۔ ترکی کے وزیراعظم طیب اردگان موجودہ صورت حال میں ۵۴ فیصدی ملکی حمایت کے ساتھ مصطفیٰ کمال پاشا کے بعد آج بھی ترکی کی سب سے مقبول ترین شخصیت ہیں۔ حکومت کے خلاف سڑکوں پر اترنے والی سیاسی پارٹی ری پبلیکن پیپلز پارٹی موجودہ سرکار کو انتخاب کا چیلنج کررہی ہے۔ ترکی کی موجودہ حکومت غیر اسلامی حکومت ہے۔ اور ملک پر حکومت کرنے والی پارٹی جسٹس اینڈ ڈیولپمنٹ پارٹی ایک سیکولر پارٹی ہے۔ سڑکوں پر عوام کی نمائندگی کرنے والی پارٹی جس کے ہاتھوں سے اقتدار ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکل گیا ہے وہ حیران و پریشان ہے۔ انہیں اقتدار میں واپس آنے کا کوئی راستہ نہیں دکھائی دے رہا ہے ترکی کو دیگر اسلامی ممالک پر برتری حاصل ہے کہ یہ ملک جمہوری لحاظ سے دیگر اسلامی ممالک سے مضبوط ترین ملک ہے اور یہاں پر جمہوریت ۸۰ برس سے قائم ہے۔ اور موجودہ وزیراعظم تیسری مرتبہ وزارتِ عظمٰی کے منصب پر فائز ہیں جو صدارتی نظام کو متعارف کرانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ابھی تک ترکی ان طاقتوں سے محفوظ رہتا آیا ہے جو افغانستان اور ایران کی تباہی کے بعد مختلف عرب ممالک میں انتشار پیدا کرنے میں کامیاب رہا ہے۔ اور ایک کے بعد ایک عرب ملک کو تباہ کیے جا رہا ہے۔ کبھی حکومت کے خلاف تو کبھی شرعیہ اور کبھی مذہبی تنظیم بنا کر دہشت گردی کے راستے۔ ان طاقتوں نے پہلے لیبیا کے حکمراں اور پھر ملک میں انتشار پیدا کر کے تباہ کردیا جو بڑی عبرت ناک اور سبق آموز تاریخ ہے۔ شام، مصر، تیونس سب تباہی اور بربادی کے قریب ہیں۔ ترکی امریکہ کا دوست اور معاون ملک ہے۔ حکومت استنبول میں گیزی (Gezi) پارک کی تعمیر نو چاہتی ہے لیکن عوام اس کے خلاف ہیں۔ کیونکہ اس کی ایک تاریخی حیثیت ہے اور وہ اس کو اسی حالت میں رکھنے کے حق میں ہیں جبکہ وزیراعظم اردگان بضد ہیں کہ وہ پارک کی تعمیر نو کریں گے۔ امریکہ، یورپ اور سلامتی کونسل کی ترکی حکومت کے تئیں سختی سے تیور بدلے ہوئے ہیں۔ مغربی، امریکی اور اسرائیلی میڈیا اس بات کو اچھال رہا ہے کہ ترکی حکومت اپنی عوام پر ضرورت سے زیادہ سختی کررہا ہے۔ یہ وہی ممالک ہیں جو بے شمار بے قصوروں اور ملک در ملک تباہ کرتے آئے ہیں۔ درحقیقت ترکی طیب اردگان کی حکمرانی میں اقتصادی طور سے بازی مار گیا ہے ساتھ ہی ساتھ فوجی اور معاشی اعتبار سے بہت ہی مستحکم ملک ہے جسے یورپ تحسین کی نظر سے نہیں بلکہ خائفانہ دیکھ رہا ہے۔ ایک مضبوط اور معاشی قوت امریکہ اور یورپ کو گوارہ نہیں ہے کہ وہ ترقی کرے۔ ترکی نے اسرائیل کے ظالمانہ رویوں پر شدید تنقید کی اور اسرائیل کے خلاف سفارتی دباؤ بہت بڑھائے اور اسرائیل کے خلاف ترکی کا رویہ شدید سے شدید ہوتا جارہا ہے۔ جس کا اثر دیکھا جاسکتا ہے کہ ترکی کے تعلق سے امریکی میڈیا سخت سے سخت لفظوں میں لکھ رہی ہے۔

وزیراعظم طیب اردگان اس وقت ترکی کے وزیراعظم بنے تھے جب ترکی قرضوں کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا اور ہر طرف غربت ہی غربت تھی انہوں نے خصوصی طور پر اقتصادی ترقی اور نج کاری کی طرف توجہ دی۔ ملک میں جمہوریت تو کافی پہلے سے قائم تھی مگر فوج نے ملک کے تمام اداروں پر اپنی مکمل گرفت قائم کررکھی تھی۔ فوجی گرفت کی شیخی کا یہ عالم تھا کہ بغیر فوجی اجازت کے ایک مضمون نگار ایک مقالہ یا مضمون تک نہیں لکھ سکتا تھا۔ اسکارف پہن کر یونیورسٹیوں میں داخلہ بند کردیا گیا تھا اور طیب اردگان کی مقبولیت اور شہرت ان لڑکیوں کے حق کی لڑائی تھی۔ جب طیب اردگان پہلی مرتبہ برسر اقتدار آئے تو انہیں ۳۷ فیصدی ووٹ پڑے تھے۔ اور جب ان کے خلاف مظاہرے اور انقلاب کا دور جاری تھا تب انہیں ترکی کی ۵۴ فیصدی عوام کی حمایت حاصل ہے۔ فوج اور بیوروکریسی نے طیب کے پہلے دور ہی میں ان کی حکومت کا تختہ الٹنے کی بہت کوششیں کیں۔ عدلیہ نے فوج کے دباؤ میں آکر ان کی پارٹی پر پابندی لگانے کی بھی بہت کوششیں کیں مگر طیب کی اہم کارکردگی کہ انہوں نے ملک کے عوام کی معیاری زندگی کو بہتر بنانے اور ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا ان کی قیادت میں ترکی آج کئی یورپی ممالک کو پیچھے چھوڑ چکا ہے۔

ترکی کے صدر عبداللہ گل وہ امریکی لابی اور غیر اسلامی روایات کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔ جس کے تحت وزیراعظم اور صدر کے درمیان کشمکش اب سامنے انقلاب کی صورت میں نظر آنے لگا ہے۔ بڑی حیرت کی بات ہے کہ ان انقلابیوں اور سڑک پر سرکار اور حکومت کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ”عرب بہار“ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ عبداللہ گل کا صدارتی عہدہ ۲۰۱۵ء میں ختم ہورہا ہے اور طیب اردگان اور زیادہ طاقت واختیارات کے ساتھ صدر بننا چاہتے ہیں۔ آگے ان کے دماغ میں ترکی کی خلافت کے احیا کا سودا اور ترکی کی عظمت کو بحال کرنے کا خواب بھی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ انہوں نے ترکی کو دنیا کا ساتواں طاقتور معاشی ملک بنادیا ہے۔ □□

رویتِ ہلال اور جدید ذرائع ابلاغ

خصوصی موضوع

جدید ذرائع ابلاغ کی ہمہ گیری سے انکار ممکن نہیں۔ مواصلات وابلاغ کے جدید ذرائع نے دنیا کو عالمی گاؤں میں تبدیل کردیا ہے۔ ذرائع ابلاغ کے اس ترقی یافتہ دور میں عام مسلمین کے لیے اس سے استفادہ کی راہ کے طریقے پر غور وفکر کرنا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ روزہ و عید کے موقع پر چاند کے ثبوت اور اعلانِ رویت کا مسئلہ ایک زمانے سے موضوعِ بحث بنا ہوا ہے۔ جدید ذرائع ابلاغ سے اس سلسلے میں کس قدر استفادہ کی گنجائش ہے، زیرنظر تحریر میں اس پر بھرپور گفتگو کی گئی ہے۔ مفتیانِ کرام وقاضیانِ اسلام کو رویتِ ہلال واعلانِ رویت کے سلسلے میں جدید ذرائع ابلاغ کے تعلق سے دعوتِ فکر اور ثبوتِ رویت کے سلسلے میں ویڈیو کانفرنسنگ اور باتصویر ٹیلی فونی گفتگو کی افادیت پر قانونی اور شرعی نقطۂ نظر سے مدلل انداز میں بحث پیش کی گئی ہے۔ چنانچہ اسی افادیت کے پیش نظر اس بار اسے ماہِ نور کے قارئین کے لیے خصوصی موضوع کے تحت شاملِ اشاعت کیا جارہا ہے۔ فاضل مضمون نگار کی رائے کے تعلق سے سنجیدہ غور وفکر کی دعوت کے ساتھ ہم اپنے قارئین سے یہ بھی گزارش کرتے ہیں کہ اس تعلق سے آپ اپنی قیمتی رائے کو سنجیدہ ومتین لب و لہجے میں لکھ کر بھیجیں، ان شاء اللہ ادارہ ماہِ نور آپ کی مناسب رائے کو شاملِ اشاعت کرے گا تاکہ ثبوتِ رویتِ ہلال واعلانِ رویت کے مسئلے میں کوئی متفقہ اور نتیجہ خیز فیصلے تک پہنچا جاسکے۔ (نوشاد عالم چشتی علیگ)

چاند کا ثبوت: جدید ذرائع ابلاغ اور ہمارا طرزِ فکر وعمل

ذیشان احمد مصباحی☆

جدید ذرائع ابلاغ کی ہمہ گیریت اور آفاقیت کے اس دور میں بھی جب کہ پوری دنیا ایک چھوٹی سی بستی کی شکل میں سمٹ آئی ہے، ابلاغ و ترسیل کے بڑھتے قدم نے مسافت اور دوری جیسے الفاظ کو بے معنی کردیا ہے، بعض حضرات اپنی سادگی یا حسن تغافل کے سبب دوریاں پیدا کرنے، دیواریں اٹھانے اور تفریق پیدا کرنے کی شعوری یا غیر شعوری کوششیں کرجاتے ہیں۔ اس صورت حال کا ایک منظر ہر سال رمضان کی شام کو بھی دیکھنے کو ملتا ہے، جو حسب روایت اس سال بھی نظر آیا۔ ہلال عید کے ثبوت کے لیے ہر گاؤں اور ہر قریہ کا امام شہادت رویت کے لیے ثقہ افراد کا متلاشی نظر آتا ہے۔ بعض حضرات کے اس تجاہل عارفانہ پر حیرت ہوتی ہے جو چاند کے دوسرے تمام طریقوں؛ مثلاً خبر مستفیض، اعلان قاضی وغیرہ سے خود کو ناواقف بتانے کی کوشش کرتے ہیں، خواہ اس کوشش میں عامۃ المسلمین حیران و پریشان ہی کیوں نہ ہوں۔

رویت ہلال نہیں، ثبوت رویت ہلال:

بخاری ومسلم کی ایک متفق علیہ روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ چاند دیکھے بغیر روزہ مت رکھو اور نہ چاند دیکھے بغیر عید کرو۔ اگر فضا ابر آلود ہو تو گنتی پوری کرلو۔ **لاتصوموا حتی تروا الھلال و لا تفطروا حتی تروہ، فان غم علیکم فاقدروا لہ.** (بخاری، کتاب الصوم، باب اذا رایتم الہلال فصوموا)

اس حدیث کا ایک لفظی مطلب یہ ہوا کہ جسے بھی روزہ رکھنا ہو وہ پہلے چاند دیکھے اور اسی طرح جسے بھی عید کرنی ہو وہ پہلے چاند دیکھے۔ چاند دیکھے بغیر نہ کوئی روزہ رکھ سکتا ہے اور نہ عید کرسکتا ہے، سوائے اس کے کہ وہ ۳۰؍ تاریخ پوری کرلے۔ لیکن یہ معنی محدثین وفقہا کی کسی جماعت نے نہیں لیے۔ گزشتہ سوا چودہ سو سالوں میں کوئی ایک شخص بھی ایسا پیدا نہیں ہوا جو اس حدیث کے مذکورہ معنی سمجھتا ہو، اس کے برعکس متفقہ طور پر سب نے اس حدیث سے یہی سمجھا کہ روزہ رکھنے یا عید کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر شخص چاند دیکھے، ہاں! یہ ضروری ہے کہ ہر شخص کے نزدیک چاند دیکھے جانے کا ثبوت ہو، وہ خود چاند دیکھے یا نہ دیکھے۔ دوسرے لفظوں میں رمضان وعید کے لیے ہر شخص کے لیے رویت ہلال ضروری نہیں، ہر شخص کے لیے رویت ہلال کا ثبوت ضروری ہے۔ اسی طرح ہر شخص کے سامنے رویت ہلال کی شہادت گزرے یہ ضروری نہیں، بس اتنا کافی ہے کہ ہر شخص کے سامنے رویت ہلال کے ثبوت کی کوئی ایسی دلیل یا ذریعہ ہو جس سے علم

☆استاذ: جامعہ عارفیہ سید سراواں، الٰہ آباد، یوپی

شرعی یعنی ظن غالب حاصل ہو جائے۔ اسی استدلال کو آگے بڑھاتے ہوئے فقہ اسلامی کی نامور شخصیت علامہ ابن عابدین شامی (۱۲۵۲ھ) نے لکھا ہے کہ ''اہل دیہات پر شہر سے توپوں کی آواز سننے اور قندیلوں کو دیکھنے سے روزہ لازم ہو جاتا ہے کیوں کہ یہ واضح علامت ہے جس سے غلبۂ ظن حاصل ہو جاتا ہے اور غلبۂ ظن عمل کے لیے حجت شرعی ہوا کرتا ہے، جیسا کہ علما نے اس کی تصریح کی ہے۔''

یہاں یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ توپ کی آواز اور قندیل کی روشنی کو علامہ شامی نے رویت ہلال کے ثبوت کے لیے کافی سمجھا ہے جب کہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ بغیر رمضان کے یوں ہی کسی نے توپ داغ دی ہو یا قندیل روشن کر دی ہو۔ اس کا جواب علامہ شامی نے اپنے زمانے کے عرف کو سامنے رکھتے ہوئے اس طرح دیا ہے:

''یہ احتمال کہ یہ عمل رمضان کے علاوہ کسی اور وجہ سے ہوا ہو، بعید ہے، اس لیے کہ لیلۃ الشک (یعنی ۲۹ ر شعبان) کو یہ عمل ثبوت رمضان کے سوا کسی اور کام کے لیے عادتاً نہیں ہوتا۔'' (ردالمحتار، جلد ۷، باب سبب صوم رمضان)

علامہ شامی کی مذکورہ صراحت سے تین چیزیں واضح ہوتی ہیں:

۱۔ رمضان کے ثبوت کے لیے ہر شخص کے لیے چاند دیکھنا ضروری نہیں ہے۔

۲۔ چاند کے ثبوت کے لیے مختلف طریقے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً علامہ شامی کے زمانے میں ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ قاضی کے حکم سے شہر میں توپ داغ دی جاتی، جہاں تک اس کی آواز پہنچتی لوگ اس آواز کو سن کر روزہ رکھنا شروع کر دیتے۔

۳۔ چاند کے ثبوت کے لیے قطعی دلیل کی ضرورت نہیں۔ ایسی دلیل کافی ہے جس سے غلبۂ ظن حاصل ہو جائے، اس لیے ہر زمانے میں اس زمانے کے عرف کے اعتبار سے جن ذرائع سے غلبۂ ظن کا حصول ہو جائے، اسے کافی سمجھا جائے گا۔ علامہ شامی کی فقہی بصیرت کو سامنے رکھیے تو آج کے بہت سے سوالات حل ہو سکتے ہیں۔ مثلاً آج کل رویت ہلال کے موقع پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہر شخص رویت کی شہادت مانگتا ہے، جب کہ ہر جگہ رویت ہو یا رویت کی شہادت ہو، یہ ضروری ہی نہیں ہے۔ ضروری فقط یہ ہے کہ ثبوت رویت کا ظن غالب حاصل ہو جائے، اگر چہ اس میں بعض اعتبار سے احتمال بھی موجود ہو، کیوں کہ ظن غالب، فقہائے اسلام کے نزدیک شریعت میں عمل کے لیے حجت شرعی ہے۔

اسی طرح ایک بلا یہ عام ہے کہ موبائل، فون، ٹیلی ویژن، ای میل فیکس وغیرہ اور دیگر جدید ذرائع ابلاغ سے بعض علما کو ثبوت ہلال کا یقین حاصل ہو جاتا ہے لیکن اس کے باوجود دو گواہوں کو سو دو سو کیلومیٹر شہادت لانے کے لیے بھیجتے ہیں۔ گویا ایسے لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جب تک رویت پر شہادت نہ گزرے رویت کا ثبوت ہی نہیں ہوگا، اگر چہ دیگر ذرائع سے ثبوت کا قطعی یقین بھی کیوں نہ حاصل ہو جائے۔

فاضل بریلوی کی تحقیق:

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی (۱۹۲۱ء) بیسویں صدی کے زبردست فقیہ گزرے ہیں۔ آپ کا زمانہ جدید ذرائع ابلاغ سے پہلے کا زمانہ ہے۔ لیکن آپ نے اپنے زمانے میں بھی چاند کے ثبوت کے لیے رویت کی شہادت پر اصرار نہیں کیا۔ اس کے برعکس انہوں نے اپنی تلاش و جستجو سے ثبوت ہلال کے سات طریقے بیان کیے اور وہ یہ ہیں۔

(۱) شہادت رویت یعنی چاند دیکھنے والے کی گواہی

(۲) شہادت علی الشہادت۔ یعنی جن لوگوں کے سامنے چاند دیکھنے کی شہادت گزری ہو وہ اس شہادت کی شہادت دیں۔

(۳) شہادت علی القضاء۔ یعنی قاضی کے سامنے کسی دوسرے شہر میں شہادت گزری ہو، اس وقت چند لوگ موجود ہوں، وہ دوسرے قاضی کے پاس اس شہادت کے گزرنے کی شہادت دیں۔

(۴) کتاب القاضی الی القاضی۔ یعنی جس قاضی کے پاس شہادت رویت گزری ہو، وہ دوسرے قاضی کے نام مکتوب لکھے اور دو گواہوں کو اس خط کو لے کر اس قاضی کے پاس بھیجے، جو وہاں جا کر گواہی دیں کہ یہ خط فلاں قاضی کا ہے۔

(۵) استفاضہ یا خبر مستفیض، یعنی کسی شہر کے بارے میں معلوم ہو کہ وہاں رمضان و عید قاضی یا مفتی اسلام کے حکم سے ہوتا ہے، عوام خود نہیں کرتے، وہاں سے متعدد جماعتیں آ کر شہادت دیں کہ وہاں فلاں دن روزہ رکھا جا رہا ہے یا فلاں دن کو عید ہو رہی ہے۔

(۶) اکمال عدت یعنی تیس دن مکمل کرنے کے بعد

(۷) ایسے شہر میں جہاں رمضان یا عید کے لیے ہی توپیں داغی جاتی ہوں، یا لوگوں میں یہ معروف ہو، تو اگر وہاں ۲۹ ر تاریخ کو توپ داغی گئی تو جہاں تک اس کی آواز پہنچے گی، مسلمان اس آواز پر روزہ یا عید کر سکتے ہیں۔

کیا سات طریقوں پر اضافہ ممکن ہے؟

(فاضل بریلوی نے اپنے عہد کے لحاظ سے کمال احتیاط کے ساتھ سات طریقے بیان کیے ہیں۔ اس کا یہ مطلب قطعی نہیں کہ حدیث پاک میں چاند دیکھ کر روزہ رکھنے اور عید کرنے کا جو حکم ہے، اس کو صرف فاضل بریلوی نے سمجھا اور اس کے سات طریقے بیان کر دیے۔ اب اس میں حذف

واضافہ نہیں ہوسکتا۔) گزشتہ سوسالوں میں جدید ذرائع ابلاغ کی غیر معمولی ترقی نے دنیا کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ آپ غور کریں تو موجودہ حالات کے تناظر میں مذکورہ سات طریقوں کے علاوہ ثبوت رویت کے کئی دوسرے نئے طریقے سامنے آئیں گے بلکہ ان سات میں سے کئی طریقے محض عبث معلوم ہوں گے۔ آج اپنی بات دوسرے تک پہنچانے کے لیے کتنے لوگ ہیں جو خط لکھتے ہیں۔ ہر شخص کے پاس مخصوص لوگوں کے نمبر ہوتے ہیں اور وہ جب چاہتا ہے اپنی بات اپنے مخصوص لوگوں تک بذریعۂ موبائل پہنچا دیتا ہے، انہیں اس میں ذرہ برابر شک وشبہ نہیں ہوتا۔ مثلا اگر آپ کے پاس آپ کے بیٹے کا نمبر ہے اور آپ نے فون سے یہ بتا دیا کہ آپ کی بیگم کا انتقال ہوگیا تو بیٹے کو ماں کی وفات میں ذرہ برابر شک نہیں ہوگا۔ اسے یقینی طور پر اپنی ماں کی وفات کا علم ہو جائے گا۔ اسی طرح فرض کیجیے کہ آپ دہلی کے قاضی ہیں اور آپ سے لکھنؤ کے قاضی نے جسے آپ جانتے ہیں اور جس کا موبائل نمبر بھی آپ کے پاس محفوظ ہے، آپ کو فون کر کے بتایا کہ میرے پاس لکھنؤ میں چاند کی رویت کی شہادت گزری ہے تو اس سے آپ کو اس شہادت کا قطعی یقین ہو گیا۔ اب ایسے میں آپ لکھنؤ کے قاضی سے اگر یہ مطالبہ کریں کہ آپ دو گواہوں کے سامنے ایک خط لکھیے اور بذریعۂ ہوائی جہاز دہلی جلد روانہ کیجیے، وہ میرے سامنے آکر گواہی دیں گے تب آپ کی بات تسلیم کروں گا تو کیا آپ کا یہ مطالبہ معقول مطالبہ ہوگا۔

فقہا کی تمام عبارتوں کو چھان ڈالیے تو ان سے بس ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے اور وہ یہ کہ فقہا نے کوشش کی ہے کہ رویت ہلال کے ثبوت کا ظن غالب حاصل ہو جائے۔ صرف افواہ پر روزہ نہ رکھا جائے نہ عید کی جائے۔ اس بات کا ظنی علم ہونا چاہیے کہ کسی مقام پر چاند ہوا ہے اور قاضی کے سامنے اس کی شہادت گزری ہے، اس سیدھی سی بات کو آج کچھ لوگوں نے ٹیڑھی کھیر بنا کر رکھ دی ہے۔

ثبوت ہلال کے نئے طریقے:

بیسویں صدی کے فقہا نے ثبوت ہلال کے جو سات طریقے بیان کیے ہیں ان پر ذرا دوبارہ نظر ڈالیے اور یہ سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ ذرائع ابلاغ وترسیل کی غیر معمولی ترقی نے ان سات طریقوں کے کتنے امثال اور کتنی صورتیں پیدا کر دی ہیں۔

شہادت رویت کی نئی صورتیں:

شہادت رویت، ثبوت ہلال کا پہلا طریقہ ہے۔ اس کے مطابق قاضی کے سامنے گواہ آتا ہے اور یہ گواہی دیتا ہے کہ میں نے رمضان یا شوال کا چاند دیکھا ہے۔ ثبوت ہلال کے اس طریقے میں قدیم زمانے سے یہ شرط چلی آرہی ہے کہ گواہ قاضی کے سامنے موجود ہو۔ ایسا اس لیے کہ گواہی کے وقت ضروری ہے کہ گواہ کا چہرہ کھلا ہو اور قاضی اسے دیکھے اور اگر قاضی ضرورت محسوس کرے تو اس سے جرح کر سکے۔ ظاہر ہے کہ قدیم زمانے میں اس عمل کے لیے گواہ کا قاضی کی مجلس میں جسمانی طور پر موجود ہونا ضروری تھا۔ اس کے بغیر قاضی کا گواہ کو دیکھنا اور اس سے جرح واستفسار کرنا ناممکن تھا۔ یہ طریقہ آج بھی اسلامی اور غیر اسلامی عدالتوں میں رائج ہے۔

یہاں غور کیجیے تو یہ حقیقت کھلے گی کہ گواہی کے لیے گواہ کا قاضی کے سامنے ہونا ضروری ہے۔ اس کے بغیر گواہی نہیں ہوسکتی۔ قدیم زمانے میں کسی کے سامنے موجود ہونے کے لیے جسمانی وجود کے ساتھ موجود ہونا ضروری تھا، اس لیے قدیم زمانے میں یہ تصور ہی نہیں تھا کہ گواہ گواہی دے اور جسمانی اعتبار سے قاضی کی مجلس میں موجود نہ ہو۔ آج ٹکنالوجی کی غیر معمولی ترقی کے سبب یہ نہ صرف متصور ہے بلکہ آئے دن کا مشاہدہ ہے کہ ایک شخص ہزاروں میل دور ہوتے ہوئے بھی ویڈیو کانفرنسنگ کے ذریعے مجلس میں موجود ہوتا ہے اور اس سے بالکل اسی طرح بحث ومکالمہ ہوتا ہے جس طرح پچھلے زمانے میں جسمانی وجود کے ساتھ شریک مجلس شخص سے بحث ومکالمہ ہوتا تھا۔ اب ایسے میں یہ اصرار کرنا کہ گواہی کے لیے، بہرصورت گواہ کا جسمانی وجود کے ساتھ قاضی کی مجلس میں موجود ہونا ضروری ہے، ایک غلط، غیر معمولی اور بے بنیاد مطالبہ ہے۔ ہاں! یہ سچ ہے کہ آج بھی ویڈیو کانفرنسنگ بہت عام نہیں ہوسکی ہے اور مختلف وجوہات کے سبب اسے عدالتوں نے بالعموم تسلیم نہیں کیا ہے، لیکن ایسا بھی نہیں کہ اس کا وجود سرے سے ناپید ہو۔ ابھی دو سال قبل کی بات ہے کہ پاکستانی قیدی اجمل قصاب دہلی کے تہاڑ جیل میں تھا اور طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے ویڈیو کانفرنسنگ کے ذریعے اس نے سپریم کورٹ میں اپنے بیانات دیے۔

اسے اس طور پر بھی دیکھیے کہ بالفرض آپ قاضی کے شناسا ہیں اور ۱۰۰۰ ر کیلومیٹر کے فاصلے پر آپ نے چاند دیکھا۔ آپ نے ویڈیو کانفرنسنگ کے ذریعے قاضی سے گفتگو کی اور اس سے چاند دیکھنے کی گواہی دی۔ قاضی آپ کو جان رہا ہے، پہچان رہا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اگر آپ سے یہ مطالبہ کرے کہ ہر چند کہ میں آپ کو دیکھ رہا ہوں اور پہچان رہا ہوں لیکن آپ کی گواہی اس وقت تک نہیں مانوں گا جب تک آپ ۱۰۰۰ ر کیلومیٹر کی مسافت طے کر کے جسمانی اعتبار سے میری مجلس میں آکر گواہی نہیں دیتے، تو آپ کا ردعمل کیا ہوگا؟ اور ہر وہ شخص جسے اللہ رب العزت نے تھوڑی بہت سوجھ بوجھ دی ہو، وہ اس مطالبے کو کیا نام دے گا؟ پھر آخر کیا وجہ ہے کہ آج بھی ہم شہادت رویت کے لیے بہرصورت مجلس میں گواہ

کی موجودگی کو شرط سمجھیں۔ کیا گواہی میں گواہ کے جسم کا بھی کوئی دخل ہے کہ جب تک اس کا جسم مجلس میں نہ آ جائے اس کی بات نہیں مانی جائے۔ کیا واقعی شہادت رویت کے لیے گواہ کا جسمانی طور پر قاضی کی مجلس میں موجود ہونا ضروری ہے؟ اس مسئلے پر عصری تناظر میں عقل و ہوش، دیانت اور غیر جانب داریت کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے۔ شہادت کے لیے ویڈیو کانفرنسنگ، باتصویر ٹیلی فونی گفتگو، معلوم نمبر سے معلوم شخص کی گفتگو وغیرہ سب کو یک لخت حرف غلط قرار دینے والے حضرات سے انصاف، تدبر، تفقہ، دیانت اور بصیرت کی گزارش ہے۔ شہادت رویت کی طرح ہی، شہادت علی الشہادت اور شہادت علی القضا پر بھی غور کیا جا سکتا ہے؛ کیوں کہ یہ دونوں صورتیں بھی دراصل شہادت کی ہی ہیں۔

کتاب القاضی الی القاضی کی نئی صورتیں

ماضی میں ثبوت ہلال کے لیے کتاب القاضی الی القاضی کو بھی معتمد و معتبر مانا گیا۔ بقول اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی: ''قاضی شرع جسے سلطان اسلام نے فصل مقدمات کے لیے مقرر کیا ہو، اس کے سامنے شرعی گواہی گزری، اس نے دوسرے شہر کے قاضی شرع کے نام خط لکھا کہ میرے سامنے اس مضمون پر شہادت شرعیہ قائم ہوئی اور اس خط میں اپنا اور مکتوب الیہ کا نام ونشان پورا لکھا جس سے امتیاز کافی (مکمل امتیاز) واقع ہوا اور وہ خط دو گواہان عادل کے سپرد کیا کہ میرا خط قاضی فلاں شہر کے نام ہے۔ وہ باحتیاط اس قاضی کے پاس لائے اور شہادت ادا کی کہ آپ کے نام یہ خط فلاں قاضی فلاں شہر نے ہم کو دیا، ہمیں گواہ کیا کہ یہ خط اس کا ہے۔ اب یہ قاضی اگر اس شہادت کو اپنے مذہب کے مطابق ثبوت کے لیے کافی سمجھے تو اس پر عمل کر سکتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ: ۱۰/۴۱۳)

واقعہ یہ ہے کہ ماضی میں ایک شہر سے دوسرے شہر میں اطلاع دینے کے لیے خط ہی ایک موثر ذریعہ تھا، اس لیے ثبوت ہلال کے لیے ماضی کے علمانے اسے معتبر قرار دیا۔ اب اس میں ایک احتمال یہ تھا کہ کوئی شخص غلط طور پر کسی کا خط پیش کر دیتا۔ یوں ہی بسا اوقات یہ ممکن ہوتا ہے کہ کوئی ماہر کسی کی تحریر کی نقل اتار دے۔ اس لیے اس احتمال کو کم سے کم کرنے کے لیے علمائے اسلام نے اس خط کے ساتھ ایسی شرطیں لگا دیں کہ فراڈ کا احتمال ممکنہ حد تک دور ہو سکے، اگر چہ اس کے بعد بھی کذب و فراڈ کا احتمال، ضعیف ہی سہی، باقی رہتا ہے۔

آج اگر ممبئ کا قاضی بذریعہ خط بنگال کے قاضی کو مطلع کرنا چاہے اور خط لکھ کر دو گواہوں کو اس پر گواہ کرے اور ان کو ممبئ سے بنگال بھیجے تو نہ صرف یہ کہ جب تک یہ گواہ وہاں پہنچیں گے لوگ ۳۰/رمضان مکمل کر کے دوسرے دن عید کر چکے ہوں گے، بلکہ اس عمل کو موجودہ زمانے میں سراسر ایک غیر دانش مندانہ عمل کہا جائے گا۔ موجودہ زمانے میں خط کے مثل فیکس، ای میل اور وائس اینڈ ویڈیو چیٹنگ نئی دریافتیں سامنے آئی ہیں، جو ثبوت کے لحاظ سے خط سے زیادہ قوی ہیں۔ اس لیے کہ اگر ممبئ کا قاضی اپنی تحریر بذریعہ فیکس یا ای میل بنگال کے قاضی کے دفتر میں اس کے نمبر اور ای میل آئی ڈی پر بھیج دے یا اپنی آئی ڈی سے اس کی آئی ڈی پر چیٹنگ کرے، تو اولاً یہ ثبوت پہنچنے میں کئی دنوں کے بجائے صرف چند لمحے لگیں گے۔ پھر اس میں فراڈ کے احتمالات قاضی کے مکتوب کے بہ نسبت بہت ہی کم ہیں۔ پھر آج کے زمانے میں تحقیق حال کے لیے وہ فوراً فون یا موبائل وغیرہ کے ذریعے رابطہ بھی کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ اصرار کرنا کہ آج بھی قاضی کا خط تو معتبر ہے جسے دو گواہ لے کر جائیں لیکن ثبوت ہلال کے لیے ان جدید ذرائع کا استعمال بہر حال ناجائز و نامعتبر ہے؛ کیوں کہ ماضی کے علمانے ان کا ذکر نہیں کیا ہے، نہایت غیر منصفانہ ہے۔

یہاں یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ اگر ممبئ کا قاضی اپنے یہاں کی شہادت کی اطلاع بنگال کے قاضی کو دینا چاہتا ہے تو کیا ضروری ہے کہ کتاب القاضی الی القاضی کا سہارا لے، خط لکھے یا فیکس اور ای میل ہی کرے۔ ایسا کیوں نہیں کر سکتا کہ اگر اس کے پاس بنگال کے قاضی کا فون نمبر ہے تو براہ راست فون پر اسے خود اطلاع دے دے۔ ماضی میں قاضی کو خط لکھنے کی زحمت اس لیے پڑ رہی تھی کہ ماضی میں یہ تصور ہی نہیں تھا کہ ممبئ میں بیٹھ کر وہ بنگال کے قاضی سے براہ راست گفتگو کر سکے۔ آج جدید ذرائع ابلاغ کی برکات کی بدولت جب اس کے لیے براہ راست قاضی سے گفتگو کرنا ممکن ہے اور اس گفتگو سے قاضی بنگال کو ثبوت ہلال کا جو یقین حاصل ہوگا، وہ اس خط سے بدرجہا زیادہ ہوگا جسے دو شخص لے کر آئیں۔ پھر ایسے میں آج بھی قاضی ممبئ کو خط لکھنے کا مکلّف کرنا اور فون سے بات کرنے کو اس کے لیے ناجائز و حرام قرار دینا، شریعت کو مشکل اور معاملات کو پیچیدہ بنانے کے سوا آخر اور کیا ہے؟ فرض کیجیے کہ دو نمازی اور دیندار اشخاص ممبئ سے آپ کے بھائی کا خط لے کر آئیں اور یہ بتائیں کہ آپ کے دو بھائی جو ممبئ میں تھے ان میں سے ایک کا انتقال ہو گیا اور دوسری صورت یہ ہے کہ آپ کا بھائی خود فون کر کے بتائے کہ ایک بھائی کا انتقال ہو گیا، ان دونوں صورتوں میں زیادہ آسان اور مفید یقین کون سی صورت ہے، کیا یہ بھی کوئی ارسطو کا فلسفہ اور بطلیموس کا کوئی فارمولہ ہے جس پر دماغ سوزی کرنے کی ضرورت ہو۔ ہمیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہم عام مسلمانوں کے لیے آسانیاں پیدا کریں،

مشکلات پیدا نہ کریں۔ انہیں مانوس کریں، بیزار نہ کریں۔ **یسروا و لا تعسروا و بشروا ولا تنفروا** (بخاری، کتاب العلم، باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولہم بالموعظۃ والعلم) مگر ہمارا معاملہ یکسر مختلف ہے۔

استفاضہ یا خبر مستفیض کی نئی صورتیں:

استفاضہ یا خبر مستفیض کو بھی علما نے ثبوت ہلال کے باب میں بطور دلیل شرعی کے تسلیم کیا ہے۔ علامہ نجم الدین سلیمان بن عبد القوی عراقی صرصری (۷۱۶ھ) لکھتے ہیں:

''مستفیض فاض الماء و الاناء سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جب پانی لبالب ہو کر کناروں سے بہنے لگے، جیسا کہ شرح خطبہ میں مذکور ہوا۔ اس اشتقاق اور عامۃ الناس کے عرف کی بنیاد پر خبر مستفیض کے سلسلے میں تحقیق یہ ہے کہ خبر مستفیض اس مشہور و معروف خبر کو کہتے ہیں جو لوگوں میں اس طرح عام ہو چکی ہو کہ اس کا جھوٹ اور غلط ہونا عادۃً بعید ہو۔'' (شرح مختصر الروضۃ 2/108)

خبر مستفیض کے سلسلے میں علامہ ابن حجر ہیتمی (۹۷۴ھ) لکھتے ہیں:

''خبر مستفیض وہ خبر ہے جو لوگوں میں مشہور ہو اور اس کی کوئی نہ کوئی بنیاد ہو، جو خبر لوگوں میں تو مشہور ہو لیکن اس کی کوئی بنیاد نہ ہو، تو وہ خبر مستفیض نہیں ہے۔ کبھی خبر مستفیض کو خبر مشہور بھی کہتے ہیں، اس طرح وہ دونوں مترادف ہوتے ہیں، جب کہ ایک قول یہ ہے کہ مستفیض اس مشہور خبر کو کہتے ہیں جو متواتر ہو اور ایک قول یہ ہے کہ خبر مستفیض، خبر متواتر اور خبر آحاد سے الگ، خبر کی ایک تیسری قسم ہے، جب کہ محدثین کے یہاں مستفیض، متواتر سے عام ہے۔

خبر مستفیض میں فقہا کے نزدیک کم از کم دو مخبر کا ہونا ضروری ہے اور علمائے اصول کے یہاں تین سے زائد افراد کا ہونا ضروری ہے جب کہ محدثین کے یہاں کم از کم تین افراد کا ہونا ضروری ہے۔ اس تفصیل سے استفاضہ اور تواتر کا فرق واضح ہو گیا۔ اسی طرح یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ خبر مشہور عام ہے جب کہ خبر مستفیض خاص ہے؛ کیوں کہ ہر خبر مشہور خبر مستفیض نہیں۔ اسی وجہ سے فقہا نے کہا ہے کہ استفاضے میں یہ شرط ہے کہ خبر اتنی بڑی جماعت سے سنی جائے کہ دل میں ان کی صداقت جم جائے اور سب کے بالاتفاق جھوٹے ہونے کا خوف نہ رہ جائے۔ اس لیے اس میں فقط دو عادل سے سننا کافی نہیں ہے۔ خبر متواتر کی طرح ہی خبر مستفیض میں بھی گواہوں کا عادل، آزاد اور مرد ہونا شرط نہیں ہے۔ (الفتاوی الفقہیۃ الکبریٰ، 2/61)

ایک سوال یہ ہے کہ استفاضے کا تحقق کیسے ہوگا؟ علامہ ابن عابدین شامی نے لکھا ہے کہ ''اگر آسمان ابر آلود نہ ہو تو اس وقت چاند کے ثبوت کے لیے اتنی بڑی تعداد درکار ہے جس سے علم شرعی حاصل ہو جائے، اور علم شرعی یہ ہے کہ ان کی خبر سے غلبۂ ظن حاصل ہو جائے۔ مذہب حنفی کے رو سے یہ تعداد امام کے سپرد ہے، اس کا تعین نہیں کیا جا سکا ہے، اور امام صاحب سے ایک روایت یہ ہے کہ دو گواہوں کی گواہی پر بھی اکتفا کیا جا سکتا ہے۔''

(بلا علة جمع عظيم يقع العلم) الشرعي وهو غلبة الظن بخبرهم وهو مفوض إلى راى الامام (من غير تقدير بعدد) على المذهب، وعن الامام انه يكتفى بشاهدين. (ردالمحتار: 7/367)

اس سلسلے میں علامہ رحمتی کی یہ عبارت علما کے یہاں مشہور ہے:

معنى الاستفاضة ان تاتى من تلك البلدة جماعات متعددون كل منهم يخبرعن اهل تلك البلدة انهم صاموا عن روية لا مجرد الشيوع من غير علم بمن اشاعه. (ردالمحتار 2/429)

استفاضہ کے معنی یہ ہیں کہ اس شہر سے متعدد جماعتیں آئیں اور وہ تمام یہ اطلاع دیں کہ اس شہر میں لوگوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے، محض ایسی افواہ جس کا پھیلانے والا معلوم نہ ہو، استفاضہ نہیں ہے۔

یہ توضیح استفاضے کی حقیقت کو نہیں بتاتی، استفاضے کے تحقق کی ایک صورت کو بتاتی ہے، جو قدیم زمانے میں رائج تھی۔ فقہا کی عبارتوں کی روشنی میں خبر مستفیض کی حقیقت صرف یہ ہے کہ وہ مشہور خبر جو نہ متواتر ہو نہ مجہول ہو، مشہور اور شائع و ذائع ہو، اس کے ساتھ اس کی کوئی بنیاد ہو، خبر دینے والوں کا اتا پتہ ہو، وہ محض افواہ نہ ہو، ایسی خبر سے ظن غالب کا حصول ہو جاتا ہے جو شریعت میں عمل کے باب میں حجت ہے۔ اب ایسی خبر جس طریقے سے بھی حاصل ہو جائے وہ خبر مستفیض ہی ہوگی نہ کہ کچھ اور۔ علامہ رحمتی نے خبر مستفیض کی جو ایک شکل بتائی ہے بعض علما نے اسی ایک شکل کو اس کی حقیقت سمجھ لیا جو ان کا تسامح ہے۔ ماضی میں ایک شہر سے جب کوئی دوسرے شہر جاتا تھا جب ہی اس شہر کے حالات دوسرے لوگوں کو ملتے تھے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا ذریعہ ہی نہیں تھا۔ آج مواصلات کی دنیا میں ایسا انقلاب آیا کہ دوریاں رہ کر بھی دوریاں نہیں رہیں۔ ہر شہر کا آدمی دوسرے شہر کے حالات سے ہر وقت اسی طرح واقف ہوتا ہے جس طرح وہ اپنے شہر کے حالات سے واقف ہوتا ہے، بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شہر کے حالات اس کے تمام شہریوں تک پہنچنے سے بہت پہلے دوسرے شہر تک پہنچ جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک شخص الہ آباد کا رہنے والا ہے، وہ دہلی کے اوکھلا علاقے میں ملازمت کرتا ہے، ۲۹ ؍رمضان کو شاپنگ کے لیے مینا بازار جامع مسجد جاتا ہے۔ جامع مسجد کے میناروں سے اعلان ہوتا ہے کہ آج ۲۹ ؍رمضان کو چاند کی رویت ہو گئی ہے، کل عید

کی نماز ادا کی جائے گی۔ یہ شخص اپنی قیام گاہ اوکھلا، نئی دہلی پہنچنے سے قبل ہی الٰہ آباد اپنے وطن کے قاضی کو فون کر دیتا ہے، اس طرح جامع دہلی کے مینار سے ہونے والا اعلان دہلی کے اوکھلا علاقے تک پہنچنے سے قبل الٰہ آباد پہنچ گیا۔ اسی وقت پٹنہ، لکھنؤ، بنارس، مبارک پور، بریلی، بدایوں، پچھوچھہ اور کانپور کے معتبر مقامات سے بھی اعلان عید کی خبر قاضی صاحب تک آ گئی۔ اتنی خبریں آنے کے بعد اس خبر کے صحیح و درست ہونے کا یقین یا کم از کم ظن غالب حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ خبر عام خبر کے درجے سے بلند ہو کر خبر مستفیض کا درجہ حاصل کر لیتی ہے جسے شریعت نے دلیل و حجت تسلیم کیا ہے، لیکن بعض حضرات کو اب بھی اصرار ہے کہ خبر مستفیض وہی ہوگی جسے لے کر مختلف جماعتیں آئی ہوں۔ یہ اصرار ایسا ہی ہے جیسے کوئی ایٹمی عہد کے زمانے میں سیف و سنان سے جہاد کرنے کا اصرار کرے۔

علامہ رحمتی کی تشریح پر علامہ مدنی کا حاشیہ:

علامہ سید محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی نے ۲۱/رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ مطابق ۱۷/نومبر ۲۰۰۳ء بروز دوشنبہ مبارکہ کسی مولانا عبدالرشید کو ایک خط لکھا ہے جس میں علامہ رحمتی کی تشریح کو ذکر کرتے ہوئے خبر مستفیض کی ایک نئی شکل لکھی ہے۔ اس خط کو کسی خطاط سے لکھوا کر اس کی کاپیاں تقسیم کی گئی ہیں، اس کی ایک کاپی میرے سامنے ہے، علامہ مدنی اس میں لکھتے ہیں:

’’ثبوت ہلال کے لیے خبر واحد معتبر نہیں، اس کے لیے خبر مستفیض چاہیے۔ متون میں صرف **لو استفاض الخبر** (جب خبر مشہور ہو جائے) کے الفاظ ہیں۔ خبر مستفیض کی جو تشریح علامہ رحمتی قدس سرہ نے کی ہے اپنے عہد کے لحاظ سے کی ہے، اس لیے کہ اس عہد میں ایک جگہ سے دوسری جگہ خبر پہنچانے کے لیے اس کے سوا کوئی صورت نہیں تھی کہ جماعت وہاں جا کر خبر دے۔ خبر مستفیض کے لیے متعدد جماعتوں کی خبر کی ضرورت ہوتی ہے، خواہ وہ جماعتیں آ کر خبر دیں یا کسی آلۂ خبر کے ذریعہ خبر دیں مگر آلۂ خبر وہ ہو جس سے براہ راست مخبر کی آواز سنی جا سکے اور اس کی کسی نہ کسی حد تک پہچان ہو سکے۔ اس طرح حاصل شدہ خبر کو خبر مستفیض ہی قرار دیا جائے گا۔ اب اس کی شکل یہ ہے کہ ایک شہر کا قاضی یا اس کا قائم مقام (مثلاً رویت ہلال کمیٹی) دوسرے ثبوت والے شہر کے جانے پہچانے اتنے افراد سے جن کو متعدد کہا جا سکے ہر ایک سے الگ الگ نمبر پر ٹیلی فون کے ذریعہ خبریں حاصل کرے، یہ ساری خبریں مل کر خبر مستفیض ہو جائیں گی اور اس پر رویت ہلال کے ثبوت کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے اور بلا تکلف عید وغیرہ کا اعلان کیا جا سکتا ہے۔ قاضی یا رویت ہلال کمیٹی کا دائرۂ عمل جہاں تک ہے وہاں کے رہنے والوں کو اس اعلان پر عمل کرنا لازمی ہوگا۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ کتنے لوگوں کو متعدد جماعت کہا جائے؟ اور ان کی خبر کو خبر مستفیض کہا جائے؟ اس کے لیے پہلے یہ متعین کرنا ہوگا کہ ایک جماعت کا اطلاق کتنے لوگوں پر کیا جائے؟ اگر دو فرد کو ایک جماعت قرار دیا جائے تو متعدد جماعت چار یا چھ افراد پر مشتمل ہوگی۔ یوں ہی اگر ایک جماعت تین کو کہا جائے تو متعدد جماعت میں ۶/یا ۹/افراد ہوں گے۔ اسی طرح اگر ایک جماعت چار افراد کو کہا جائے تو متعدد جماعت ۸/یا ۱۲/افراد پر مشتمل ہوگی۔ اس مقام پر سب سے زیادہ خوب صورت بات یہ ہے کہ متعدد جماعت کے مسئلے کو قاضی یا اس کے قائم مقام کے صواب دید پر چھوڑ دیا جائے، وہ خود تعداد مقرر کرے، وہ تعداد ایسی ہو جن کا غلط بیانی پر اتفاق کر لینا خود قاضی کی نگاہ میں عادۃً ناممکن ہو اور جن کی خبروں سے خود قاضی کو ثبوت ہلال کا یقین شرعی (ظن غالب) حاصل ہو جائے۔ اس مقام پر یہ خاص طور پر ذہن نشین رہے کہ ایک شکل ہے دور والے سے خود بذریعۂ ٹیلی فون خبر لینا اور دوسری شکل ہے دور والے کا خود بذریعہ ٹیلی فون خبر دینا۔ ان دونوں شکلوں میں فرق ظاہر ہے۔ پہلی شکل میں ہم اپنے جانے پہچانے لوگوں سے رابطہ پیدا کر کے ان سے خبر لیتے ہیں، اس لیے اس میں کوئی دھوکا نہیں دیا جا سکتا۔ اس کے برعکس دوسری شکل میں خبر دینے والوں سے ہم خود بے خبر ہوتے ہیں تو اس میں دھوکے کا امکان ہے کہ خبر دینے والے اپنے ہم مسلک ہیں بھی کہ نہیں۔ نیز خبر مستفیض کے لیے جتنی تعداد مطلوب ہے اتنے ہی افراد خبر دے رہے ہیں یا چند لوگ ہیں جو آواز بدل بدل کر کثیر بنے ہوئے ہیں؟ الغرض دوسری شکل سے قاضی کو وہ یقین حاصل نہیں ہو سکتا جو پہلی شکل سے حاصل ہوتا ہے، اس لیے دور فتنہ میں اعتبار پہلی ہی شکل کا ہوگا۔

خبر مستفیض کی تشریح علامہ رحمتی نے اپنے عہد کے لحاظ سے فرمائی ہے اور یہ خاکسار اس کی تشریح اپنے عہد کے لحاظ سے کر رہا ہے۔ اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ اس خاکسار کی تشریح علامہ موصوف قدس سرہ کی تشریح کو باطل قرار نہیں دیتی، بلکہ خبر مستفیض کی ایک دوسری شکل کی نشان دہی کرتی ہے۔ اس خاکسار کی تشریح کو بہت سے علمائے کرام کی تائید حاصل ہو چکی ہے اور بعض مقامات پر اس پر عمل بھی شروع ہو گیا ہے۔ اس تشریح نے بحمدہ تعالیٰ بہت سارے فتنوں کا سد باب بھی کر دیا ہے۔‘‘

مفتی عبید الرحمن رشیدی کی تحقیق:

علامہ مفتی عبید الرحمٰن رشیدی فاضل اشرفیہ مبارک پور اور سجادہ نشین آستانۂ عالیہ رشیدیہ جون پور کی شخصیت فقہ و تصوف کے حوالے سے ایک معتبر و مستند شخصیت ہے۔ علمی رسوخ، عالمانہ وقار، تواضع اور اعتدال کے سبب مختلف فقہی مسائل و مباحث میں منفرد فکر و تحقیق رکھنے کے باوجود وہ علما

میں غیر متنازع اور محبوب ہیں۔خبر مستفیض کے سلسلے میں ان کی ایک مختصر تحریر میرے سامنے ہے۔ یہ تحریر مجھے مولانا ابرار رضا رشیدی مصباحی نے بذریعۂ ای میل بھیجی ہے جو حضرت مفتی صاحب قبلہ کے مرید ہیں۔ اس تحریر کا عنوان ہے: ''موبائل کی خبروں سے استفاضۂ شرعی کا تحقق''۔ اس تحریر میں انہوں نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی تحریروں کو اپنے مدعا کے اثبات میں پیش کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''ثبوت ہلال کے طریقوں میں سے ایک طریقہ استفاضۂ شرعی بھی ہے جو از قبیل شہادت نہیں بلکہ از قبیل خبر ہے جب کہ مشہور اور باتحقیق ہو۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

''ہمارے ائمہ نے صرف استفاضہ واشتہار کافی نہ جانا بلکہ اس کے ساتھ تحقیق کی قید زیادہ فرمائی۔'' (۵۶۲/۴)

معلوم یہ ہوا کہ خبر مشہور اگر باتحقیق ہو تو یہ استفاضۂ شرعی ہے اور ثبوت ہلال میں معتبر ہے۔ اب رہی یہ بات کہ علامہ رحمتی نے استفاضۂ شرعی کا جو معنی بتایا ہے کہ بلدۂ ثبوت سے متعدد جماعتیں آکر بیان دیں تو یہ ان کے دور کے اعتبار سے ہے کہ ان کے دور میں تحقیق کی یہی ایک صورت تھی۔ موجودہ ذرائع ابلاغ ان کے دور میں نہیں تھے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ تحقیق اسی معنی میں منحصر ہو۔''

اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت کے دور میں ٹیلیفون کا حال تار جیسا تھا یعنی جس طرح تار کی خبر میں وسائط کثیرہ ہوا کرتے ہیں، اسی طرح ٹیلیفون کی خبر میں بھی وسائط ہوا کرتے تھے، مخبر کی خبر براہ راست موصول نہیں ہوا کرتی تھی، اس لیے اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ میں عام طور پر ٹیلی فون کا وہی حکم دیا گیا جو تار کا تھا، پھر یہ کہ تار ہو کہ ٹیلیفون یا موبائل اگر ان کے ذریعہ موصولہ خبر حد شہرت کو نہ پہنچتی ہو تو یہ مطلقاً غیر معتبر ہے، اس لیے کہ نہ تو یہ شہادت ہے، نہ استفاضہ اور اگر حد شہرت کو پہنچتی ہو مگر بے تحقیق ہو تو یہ بھی غیر معتبر ہے اور افواہ ہے اور اگر حد شہرت کو پہنچتی ہو اور بے تحقیق نہ ہو بلکہ باتحقیق ہو تو یہ استفاضۂ شرعی ہے اور معتبر ہے، موبائل کا حال، تار، ٹیلی فون سے کافی مختلف ہے، اس میں وسائط نہیں ہوتے، مخبر کی خبر براہ راست موصول ہو جاتی ہے۔ یہ خبر **لا یعلم من اشاعھا** کی منزل میں نہیں ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر مختلف جگہوں سے رویت ہلال کی خبریں موصول ہوں اور باتحقیق ہوں تو یہ استفاضۂ شرعی ہو جائیں گی۔''

اعلان رویت کی نئی صورتیں:

چاند کے ثبوت کے دیگر ذرائع میں ایک اعلان قاضی بھی ہے۔ رویت ہلال کے سلسلے میں قاضی کا اعلان اس کے دائرۂ قضا میں ثبوت ہلال کے لیے ایک معتبر ذریعہ ہے۔ ماضی میں اعلان کے لیے منادی کا استعمال ہوتا تھا۔ ایک شخص نگاڑا پیٹتا ہوا گشت کرتا اور حاکم شہر یا قاضی شہر کی طرف سے اعلان کرتا جاتا۔ اعلان کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ مسجد کے مینارے پر شمع روشن کر دی جاتی یا توپ داغ دی جاتی، اس حوالے سے علامہ ابن عابدین شامی کی عبارت اس مضمون کے آغاز میں گزر چکی۔

سوال یہ ہے کہ اس زمانے میں رویت کے اعلان کے لیے حاکم اسلام، قاضی اسلام یا مفتی شہر کون سا طریقہ اپنائے۔ کیا آج بھی عظیم الشان اور پرشور شہروں کے گلی کوچوں میں نگاڑا پیٹا جائے یا جامع مسجد کے میناروں پر قندیل روشن کی جائے؟ اب تو شہر اتنے بڑے ہو چکے ہیں کہ قندیلوں کی روشنی اور توپوں کی آواز پورے شہر میں بھی نہیں پہنچ سکتی چہ جائے کہ اطراف کی بستیوں تک پہنچ سکے۔

آج مسلم اور غیر مسلم حکومتیں اپنا اعلان ٹیلی ویژن، ریڈیو، اخبارات اور انٹرنیٹ کے ذریعے کرتی ہیں۔ آج خود مسلمانوں کے اپنے ٹیلی ویژن چینل ہیں، ایف ایم ریڈیو چینل آسانی سے چھوٹے چھوٹے ادارے اپنے طور پر قائم کر لیتے ہیں، بعض اخبارات مسلمان خود نکالتے ہیں، اکثر بڑے مدارس، خانقاہوں، علما کی اپنی ذاتی ویب سائٹس ہیں، ان وسائل کا استعمال کر کے آج رویت ہلال کا اعلان کیوں نہیں ہو سکتا؟ اعلان رویت ہلال کے لیے ان جدید ذرائع کے استعمال سے کون سی چیز مانع ہے؟ بطور خاص اس زمانے میں جب کہ ان ذرائع سے شائع خبروں کی تحقیق بہت ہی آسان ہے۔ کیا صرف اس لیے ان ذرائع اعلان کو مسترد کر دیا جائے کہ یہ ذرائع ماضی میں نہیں تھے؟ یا اس لیے انہیں رد کر دیا جائے کہ ڈھول تاشہ اور نگاڑا بجانے، شمع روشن کرنے اور توپ داغنے کے بہ نسبت ان ذرائع میں شبہات اور احتمالات زیادہ ہیں؟ کیا واقعی ایسا ہے؟ قاضی شہر کے ذاتی موبائل نمبر سے اطراف اور قرب وجوار کے ائمہ ومدرسین رابطہ کریں اور قاضی کی طرف سے بتایا جائے کہ رویت کا اعلان کر دیا گیا ہے تو کیا یہ اطلاع کافی نہیں؟ کیا اس دلیل میں مینار کی قندیلوں سے بھی کم روشنی ہے؟ یہ مسئلہ بھی حل طلب ہے کہ اگر قاضی القضاۃ فی الملک اعلان کر دے اور وہ اعلان ان جدید ذرائع کے توسط سے اس طور سے ملک بھر میں شائع وذائع ہو جائے کہ اس اعلان کا یقین یا ظن غالب حاصل ہو جائے تو کیا اس کے بعد بھی ہر مفتی محلّہ اور امام مسجد کے لیے عینی شاہد کے مطالبے کا حق رہتا ہے؟ آخر ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ شریعت تو آسانی چاہتی ہے لیکن ہم پریشانی اور مشکل پسندی کی خواہاں ہے؟

علامہ غلام رسول سعیدی کا موقف:

شارح صحیح مسلم محقق عصر علامہ غلام رسول سعیدی (پاکستان) لکھتے ہیں :

''حکومت پاکستان نے ہر بڑے شہر میں ایک زونل رویت ہلال کمیٹی بنائی ہے اور ایک مرکزی رویت ہلال کمیٹی ہے۔جس شہر میں چاند کا ثبوت شرعی ہو جائے تو اس شہر کی رویت ہلال کمیٹی چاند کا فیصلہ کرتی ہے اور اپنے اعلان سے مرکزی رویت ہلال کمیٹی کو مطلع کرتی ہے اور مرکزی رویت ہلال کمیٹی کا چیرمین ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ اس فیصلے کا اعلان پورے ملک میں نشر کرتا ہے اور ملک کے مسلمان اس فیصلہ کے مطابق روزے اور عید وغیرہ کے احکام بجالاتے ہیں۔بعض علما کی طرف سے رویت ہلال کمیٹی پر مسلسل اعتراضات کیے جاتے ہیں،اگر حسن نیت سے مسئلہ کی چھان بین کے لیے اعتراضات کیے جائیں تو یہ مستحسن امر ہے؛ کیوں کہ اس سے مسئلہ کے تمام پہلو واضح ہو جاتے ہیں اور اگر رویت ہلال کمیٹی کے طریقۂ کار میں سقم ہو تو اسے درست کرنے کا موقع ملتا ہے۔علامہ محمد کرم شاہ الازہری رویت ہلال کمیٹی کے طریقۂ کار کو دلائل سے واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فقہائے کرام نے جب توپ کی گونج دار آواز اور قندیلوں کی روشنی کو طرق موجبہ میں شمار کیا ہے جو رویت ہلال کے لیے شرعی شہادات ہیں تو ٹیلی ویژن اور ریڈیو کے اعلان کو طرق موجبہ میں شمار نہ کرنا بے انصافی کی انتہا ہے کہ رویت ہلال کمیٹی شرعی شہادات کے بعد رویت کا فیصلہ کرتی ہے اور اس کا چیرمین صاف الفاظ میں اس کا اعلان کرتا ہے کہ ہم نے شرعی ثبوت کی بنا پر رویت ہلال کے متحقق ہونے کا فیصلہ کیا ہے اور ہم اعلان کرتے ہیں کہ کل رمضان ہوگا یا عید ہوگی۔اس کے بیان سے جو علم شرعی یعنی غلبۂ ظن حاصل ہوتا ہے وہ اس علم شرعی سے بدرجہا اقویٰ اور ارفع ہے جو توپ کے داغے جانے سے حاصل ہوتا ہے۔

باقی رہا اعلان رویت،تو یہ بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کی تعمیل ہے جو اس حدیث مبارک میں مذکور ہے:

ایک اعرابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں حاضر ہوا اور عرض کیا:''یارسول اللہ!میں نے رمضان کا چاند دیکھا ہے۔حضور نے فرمایا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے بغیر اور کوئی خدا نہیں؟اس نے جواب دیا جی ہاں!پھر فرمایا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ محمد (روحی فداہ) اللہ کے رسول ہیں؟ اس نے جواب دیا جی ہاں!حضور نے فرمایا:اے بلال!لوگوں میں اعلان کر دو کہ وہ کل روزہ رکھیں ۔(اس حدیث کو امام احمد کے سوا پانچ اصحاب صحاح نے روایت کیا ہے۔)

اور کسی روایت میں یہ نہیں ہے کہ حضرت بلال کے اعلان کو اس بنا پر نظر انداز کر دیا گیا ہو کہ نہ ہم نے چاند خود دیکھا ہے اور نہ ہمارے سامنے دو گواہوں نے شہادت دی ہے،اس لیے ہم اس اعلان پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں،سیدھی بات تو یہ ہے کہ اگر یہ اعلان شرعاً معتبر نہ ہوتا تو صادق برحق صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال کو اعلان کرنے کا حکم ہی نہ دیتے،حاکم اسلام کے فیصلہ کا اعلان حضرت بلال کی سنت ہے اور اس پر عمل کرنا جملہ صحابہ کرام کی سنت۔''(شرح صحیح مسلم،۵۶/۳)

حرف اختتام:

مذکورہ بحث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ رویت ہلال کے باب میں جدید ذرائع ابلاغ کے تعلق سے ہندو پاک کے اکثر علما کا موقف واضح ہے۔تنگ دامانی کا شکوہ ہے،ورنہ عالم عرب کے علما کی آرا بھی نقل کی جاتیں جس سے واضح ہوتا کہ اس باب میں عالم اسلام کے جمہور علما کی عام رائے کیا ہے اور ہم مٹھی بھر دیوانے کہاں جا رہے ہیں۔

آخر میں صرف ایک بات کہوں گا، وہ یہ کہ ہمیں فقہی معاملات میں فیصلے کرتے وقت عرف اور حالات سے مکمل چشم پوشی یکسر زیب نہیں دیتی۔اس چشم پوشی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سالہا سال لکیریں پیٹنے کے بعد جب ہمیں ہوش آتا ہے تو قافلۂ حیات کافی آگے بڑھ چکا ہوتا ہے اور لوگ ہم پر ہنس رہے ہوتے ہیں۔ٹیلی ویژن پر اسلامی پروگرام کی نمائش، لاؤڈ اسپیکر پر نماز،ٹرین پر نماز اور اس قسم کے کئی مسائل میں ہم اپنا حشر دیکھ چکے ہیں۔رویت ہلال کے باب میں اگر ہم نے دور اندیشی سے کام نہیں لیا اور اپنی پرانی روش سے باز نہیں آئے تو اس میں بھی ہمارا حشر کچھ مختلف نہیں ہوگا۔رویت ہلال کے باب میں جدید ذرائع ابلاغ کے استعمال کو روکنے کی کوشش کرنا طوفان کو روکنے کے لیے شتر مرغ کا ریت میں اپنا سر چھپانے جیسا ہے۔فیصلہ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ورنہ۔ع

سب کچھ لٹا کے ہوش میں آئے تو کیا کیے

مقام غور ہے کہ جو امت چودہ سو سال پہلے سیکڑوں میل کے فاصلے پر بغیر کسی مادی وسیلے کے یا ساریۃ الجبل کے نعرے سن کر معرکے فتح کر رہی تھی اس کے بعض افراد آج اس قدر وہمی ہو چکے ہیں کہ وہ آج مادی وسائل سے آنے والی آواز کا بھی یکسر انکار کر دیتے ہیں اور مستزاد یہ کہ رویت ہلال کے علاوہ عبادات و معاملات کی دیگر تمام صورتوں میں اس پر یقین بھی رکھتے ہیں۔ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

محمد شمس الدین☆

عصمت چغتائی بحیثیت افسانہ نگار

عورتوں کے مسائل پیش کرنے والے افسانوں پر نظر ڈالی جائے تو عصمت چغتائی کے افسانے سر فہرست نظر آئیں گے۔ عصمت چغتائی نے اپنے افسانوں میں عورت کی زندگی کے تقریباً ہر پہلو کو پیش کرتے ہوئے انھیں درپیش مختلف مسائل کو اجاگر کیا ہے۔ گویا 'عورت' ان کے تمام افسانوں کے موضوعات کا محور ہے۔ جہاں ایک طرف ان کے افسانوں کی خصوصیت عورت کے مسائل ہیں وہیں دوسرا پہلو جنسیات بھی ہے۔ انہوں نے کہیں کہیں تو بڑی بے باکی سے جنسیات کا ذکر کیا ہے جس کی مثال ان کا افسانہ 'لحاف' ہے۔ 'لحاف' میں جب انہوں نے عورتوں کی ہم جنسی پہلو کو اجاگر کیا تو اس کے سبب ان کو مقدمہ کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ اس افسانے کی وجہ سے جہاں انہیں ایک طبقے میں بدنامی ہوئی وہیں دوسرے طبقے میں مقبولیت بھی ملی۔ کہیں انہیں فحش نگار کہہ کر ناپسند کیا گیا تو کہیں حقیقت نگار کہہ کر ان کے اقدام کو سراہا گیا۔ جب عصمت چغتائی سے ان پر لگے فحش نگاری کے الزام پر صفائی مانگی گئی تو انہوں نے بڑی بے باکی سے کہہ ڈالا کہ 'دنیا میں کچھ بھی گندا نہیں۔ اگر بدن گندا نہیں ہے تو اس کا ذکر بھی گندا نہیں۔

ویسے منٹو اور دوسرے افسانہ نگاروں نے بھی جنسیات اور عورت کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے مگر عصمت چغتائی نے جس طرح سے جنسیات کو اپنے افسانوں میں پیش کیا اور جس طرح عورتوں کے مسائل کا ذکر کیا وہ دوسرے کے یہاں ملنا مشکل ہے۔ عصمت چغتائی عورت کو ہر رنگ اور روپ میں بیان کرنے میں کامیاب رہیں۔ جس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے عورت ہو کر عورتوں کے مسائل پر قلم اٹھایا۔ عصمت چغتائی نے ہر طبقے کے عورتوں کے مسائل کو پیش کیا خواہ وہ امیر طبقہ ہو یا متوسط، اعلیٰ سوسائٹی کے لوگ ہوں یا نچلی دنیا کے افراد، فلمی دنیا، سیاسی دنیا اور ہر طبقے کے دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا۔ ہر عمر اور ہر طبقے کے لوگوں کی خوشیاں، غم، طرز زندگی، نفسیاتی، جنسی، معاشی غرض عصمت نے زندگی کے تمام پہلوؤں کو اپنے افسانوں میں پیش کیا۔

عصمت چغتائی نے صرف نوجوان لڑکیوں کے مسائل کے بارے میں ہی نہیں لکھا بلکہ نوجوان لڑکوں کے جنسِ مخالف کی جانب کشش کو بھی اپنے افسانوں میں جگہ دی۔ افسانہ 'ہیرو' کا نوجوان نوکر 'سکھا' جو حمیدہ بی بی کی طرف مائل ہے۔ وہ اس کے لیے اپنی محبت کو پوری طرح نہیں سمجھ پاتا۔ لیکن حمیدہ بی بی کے لیے اسے ہر کام کرنے میں راحت ملتی ہے۔ اسی طرح 'خدمت گار' میں گھر میں پلا بڑھا ایک نوجوان نوکر اپنی نوجوان مالکہ کے محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ مگر کم عمری کی وجہ سے اسے محبت کے جذبے کا احساس نہیں ہوتا۔ محبت کا احساس اسے اس وقت ہوتا ہے جب مالکہ کا رشتہ امیر آدمی سے ہو جاتا ہے۔

عصمت چغتائی نے اپنے بعض افسانوں میں جنسیات کے بغیر بھی رومانوی جذبات کو موضوع بنایا ہے۔ افسانہ 'تنہا تنہا' میں کالج کے دو اسٹوڈنٹس کی محبت کو پیش کیا ہے جو ایک دوسرے سے محبت تو کرتے ہیں مگر اس کا اظہار نہیں کر پاتے۔ تقسیم ہند کے بعد دونوں جدا ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کی محبت میں تنہا تنہا زندگی گزار دیتے ہیں۔ گویا جدائی اور دوری ہونے کے بعد بھی ان کی محبت ختم نہیں ہوتی۔ اسی طرح 'پنکچر' بھی ان کا رومانوی افسانہ ہے۔ جس میں دو کردار 'میں' اور 'وہ' اتفاقی طور پر ملتے ہیں اور ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ مگر 'انا' کی وجہ سے کوئی بھی اپنی محبت کا اظہار نہیں کرتا۔ آخر کار جب 'میں' کی منگنی کسی اور سے ہو جاتی ہے تو 'وہ' ہار مان جاتا ہے اور اظہار محبت کر کے شادی کی درخواست کرتا ہے۔ جسے 'میں' قبول کر لیتی ہے۔ اس طرح پتہ چلتا ہے کہ محبت میں 'انا' کبھی شامل نہیں ہونی چاہیے ورنہ جدائی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

عصمت چغتائی نے غربت کی چکی میں پستی عورتوں کی مجبوریوں اور محرومیوں کو بھی اپنے افسانوں میں جگہ دی۔ 'بھیڑیں' میں اس حقیقت کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے کہ اس معاشرے میں کہیں کہیں عورتوں کو جانور سے بھی زیادہ حقیر سمجھا جاتا ہے۔ 'میکی' 'ایک نچلے طبقے سے تعلق

☆ ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی، دہلی، موبائل: 9911487568

رکھنے والی کرسچین لڑکی ہے جسے غربت کی وجہ سے بچپن ہی سے کام پر لگادیا گیا جو ساری زندگی اپنا پیٹ پالنے کے ساتھ ساتھ اپنا شوہر خریدنے کے لیے جہیز اکٹھا کرنے پر مجبور ہے۔اور شوہر' اکثر شادی کا جھانسا دے کر جہیز کے پیسے لے کر بھاگ جاتے ہیں یا پھر اس کی ساری کمائی شراب اور جوئے میں لٹا دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنی کوکھ میں پل رہی جائز اولاد کو اس وجہ سے مارنے پر مجبور ہوگئی کہ اگر بچہ دنیا میں آ گیا تو اس کا پیٹ بھرنے کی وجہ سے اس کے شوہر کو پوری کمائی نہ مل سکے گی۔

انہوں نے اپنے افسانوں میں بیوہ عورتوں کے مسائل اور معاشرے میں ان کے ساتھ قابل افسوس سلوک کو بھی موضوع بنایا ہے۔ 'عشق پر زور نہیں' میں عصمت چغتائی نے 'خلیفن بوا' کے کردار کے ذریعہ ہمارے معاشرے میں ایسی عورت کی حالت زار کو پیش کیا ہے جو بیوگی کی وجہ سے اپنوں میں بھی بے گانگی کی زندگی گزارتی ہے۔ نہ سماج ہی اسے عزت دیتا ہے اور نہ ہی اولاد۔ یہاں تک کہ اولاد جس پر اپنی ماممتا نچھاور کرکے پرورش کرتی ہے، وہ خود تو عیش و آرام کی زندگی گزارتی ہے مگر بوڑھی ماں کے لیے ان کے پاس کوئی گنجائش نہیں۔

انہوں نے لڑکیوں کی شادی کو بھی اپنے افسانے کا موضوع بنایا۔ افسانہ 'چوتھی کا جوڑا' اس سلسلے کا اہم افسانہ ہے جس میں عصمت نے پیش کیا ہے کہ بعض لڑکیاں جو ہر لحاظ سے شادی کے قابل ہوتی ہیں، اور ایک اچھی بیوی بننے کی تمام خوبیاں ان میں موجود ہوتی ہیں مگر غربت کی وجہ سے ان کی شادی نہیں ہو پاتی۔ آخر کار وہ گھر بسانے کی آرزو اپنے دل ہی دفن کرکے اس دنیا سے رخصت ہو جاتی ہیں۔

عصمت چغتائی نے نہ صرف معاشرے کے کمزور طبقے کے استحصال کے خلاف آواز اٹھائی بلکہ انہوں نے معاشرے کے خود ساختہ نام نہاد اعلیٰ اور شریف طبقے کی حقیقت کو بھی بے نقاب کیا۔ اعلیٰ طبقہ جس کے پاس دولت کی فراوانی ہے پھر بھی وہ دلی سکون و طمانیت سے محروم ہے۔ ان کے اعلیٰ تہذیب کے نام پر کی جانے والی بے حیائی کو پیش کرتے ہوئے اس طبقہ کی زندگی پر طنز کیا ہے۔ افسانہ 'پہلی لڑکی' میں بتایا کہ کس طرح نام نہاد شرفا کے گھرانوں میں شرافت کی دھجیاں اڑائی جاتی ہیں۔ وہاں لڑکوں کو شادی سے پہلے ہی لونڈیاں فراہم کردی جاتی ہیں۔ جس کے ساتھ وہ ناجائز تعلقات بھی قائم کر سکتے ہیں اور اسے اس طبقہ میں برا بھی نہیں مانا جاتا۔ ان گھرانوں میں شادی ہونے سے قبل ہی ان کے لڑکے لڑکیاں آپس میں تعلقات قائم کر لیتے ہیں۔ ان کی شادیاں محض ایک رسم ہے۔ 'نیند' میں اعلیٰ سوسائٹی کی حقیقت کو پیش کرتے ہوئے لکھا کہ ایسے لوگ اعلیٰ سوسائٹی کے معیار کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے کبھی مرد اپنی بیویوں کا استعمال کرکے مال و مفادات حاصل کرتے ہیں اور کبھی اس سوسائٹی کے بازار میں خود کو قابل فروخت جنس کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اس بے راہ روی اور بے حیائی کو اس اعلیٰ سوسائٹی میں زندہ دلی اور اعلیٰ معیار زندگی کا نام دیا جاتا ہے۔

عصمت چغتائی نے اپنے افسانوں کے موضوعات، واقعات اور کردار اپنی حقیقی زندگی سے لیے ہیں۔ بلکہ شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے افسانوں کو حقیقت ثابت کرنے کے لیے مختلف طریقوں کا استعمال بھی کیا ہے۔ مثلاً اپنے افسانے 'موکھا' میں یہ مکالمے کہلوائے: ''پتہ ہے، مجھ پر بادشاہ سلامت نے مقدمہ چلایا تھا۔ لاہور پکڑ کر بلایا تھا۔ قسمت اچھی تھی کہ جیل، پھانسی کی نوبت نہیں آئی۔'' یقیناً ان مکالمات کے ذریعہ عصمت نے اپنے اوپر ہونے والے 'لحاف' کے مقدمے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ 'زہر' میں اس مکالمہ 'مجھے یاد ہے میری دس بچوں والی اماں مسز نعمان سے بہت ڈرا کرتی تھیں'' کے ذریعہ حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ عصمت وغیرہ بھی دس بہن بھائی تھے۔

الغرض عصمت چغتائی نے اپنی باغیانہ رجحان کے سبب معاشرے میں پھیلی عورتوں کے مسائل کو اپنے افسانوں میں جگہ دیتے ہوئے فرسودہ روایات، معاشرتی تضادات اور جبر و استحصال پر کاری ضرب لگائی۔ ان کی کہانیاں اپنے مواد، تکنیک اور پلاٹ کی وجہ سے چونکا دینے والی ہیں بلکہ اپنی زبان و بیان اور طنزیاتی لب و لہجہ کے اعتبار سے بھی قابل قدر اہمیت کی حامل ہیں۔ زبان متوسط طبقے کی معیاری زبان ہے۔ بلکہ عورتوں کے مخصوص محاورات اور لب و لہجہ کا استعمال عصمت چغتائی کی کہانیوں سے بہتر کہیں اور نظر نہیں آتا۔ انہوں نے نفیس مکالموں کو ادب میں جگہ دی۔ لفظی مصوری سے ان کی کہانی کا ہر کردار اور ہر واقعہ ہماری نگاہوں کے سامنے روشن ہو جاتا ہے۔□□